امت محمدیہ - علیٰ صاحبہا وعلیہا الصلاۃ والسلام - کے بعض خصائص

دینِ اسلام کے حوالہ سے امت کی حساسیت

خطأ ونسیان اور تصحیف وتحریف کا لازمۂ بشریت ہونا

عملِ انتقاد واصلاح بہر دو پہلو

دعوت وتبلیغ کا یہ دورِ رابع، اور حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مرحوم کی شہادتِ صدق

حضرت مولانا محمد سعد صاحب مدظلہ اور ان کا دور/ایک نظر میں

حضرت مولانا محمد سعد صاحب مدظلہ اور ان پر کیے گئے اعتراضات کا علمی جائزہ

تسامحات وزلّات کے حوالہ سے حضرت مولانا محمد سعد صاحب مدظلہ کا نقطۂ نظر

الحمدلله و كفى، والصلاة والسلام على عباده الذين اصطفى، وفي طليعتهم سيدنا وسندنا محمد المصطفى، وعلى آله وصحبه و كلّ ن بأثره اقتفى. وبعد:

حضرت محمد-صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم-کی امت کا امتیاز:

اللہ-جل شانہ-نے اپنے محترم رسول حضرت محمد-صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم-کی امت کو بے شمار خصائص وامتیازات مرحمت فرما کر مبعوث کیا ہے: حضرت شاہ ولی للہ صاحب-رحمۃ اللہ علیہ-نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ: حضرت محمد-صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم-کی بعثت "بعثتِ مزدوجہ" ہے،یعنی: آپ کی بعثت کے ساتھ آپ کی امت کی بھی بعثت ہوئی ہے۔(حجۃ اللہ البالغۃ، باب حقیقۃ النبوۃ وخواصھا: ۱/۸۴) فيالمن شرف لنا وسعادة، وحظّ و كرامة!!!

دین اسلام کے حوالہ سے امت کی حساسیت:

منجملہ خصائص وامتیازات کے ایک عظیم خصوصیت اور ایک نرالا امتیاز "دین اسلام" کی ہر زیغ وضلال، خطأ ونسیان اور تصحیف وتحریف سے-جو انسانی کمزوریاں اور بشریت کا لازمہ ہیں-محفوظ رکھنے کے لئے وہ مسعود ومبارک مساعی اور انتھک کوششیں ہیں،جن سے امم ماضیہ کی تاریخ یکسر خالی ہے۔فللّٰہ درھا وعلی اللّٰہ أجرھا۔تاریخ بتاتی ہے کہ امت اسلامیہ نے کبھی بھی اس حوالہ سے کسی خوف یا ملامت کی پرواہ نہیں کی ہے۔

اہل علم کا شعار:

تاریخ اسلام پر نظر رکھنے والے ہر طالب علم پر عیاں ہے کہ اہل علم کا ہمیشہ سے شعار یہ رہا ہے کہ: « أمّا أنا فأحب الحق وأحب فلانا ما اجتمعا، فإذا افترقا كان الحق أحب إليّ من فلان. » یعنی: میرا دین وایمان یہ ہے کہ: حق اور شخصیت دونوں کی محبوبیت اسی وقت تک ہے جب تک دونوں مجتمع اور متلازم ہوں ـــ ورنہ (بصورت افتراق) امر حق کو شخص اور ذات پر بہر حال وبہر قیمت ترجیح حاصل ہوگی ـــ وہ ذات بادشاہ وقت ہو، یا معمور خزانوں کی مالک،حتی کہ وہ عظیم شخصیت امام المسلمین ہی کیوں نہ ہو۔اہل علم کا یہ مزاج ﴿إنا نحن نزلنا الذكر وإنا له لحافظون.﴾ کی تفسیر ہے۔

تنقید وانتقاد:

امت اسلامیہ نے اس (حفاظت دین اسلام) حوالہ سے جو کوششیں روا رکھیں،ان میں ایک کوشش: "تنقید وانتقاد" کہلاتی ہے۔یعنی: زیغ وضلال، خطأ ونسیان، تصحیف وتحریف-جو انسانی کمزوریاں اور بشریت کا لازمہ ہیں-حتی کہ علماء اسلام بھی اس سے خالی اور مبرا نہیں ہیں، ان کے کلام میں در آنے والے "زلات وتسامحات" پر متنبہ کرنا۔یہی کوشش تنقید وانتقاد کہلاتی ہے۔ـــ یہ کوشش انتہائی مبارک اور مسعود ہے، بلکہ ﴿تعاونوا على البر والتقوى﴾ کے حکم قرآنی پر عمل۔

خطأ ونسیان، تصحیف وتحریف لازمۂ بشریت:

خطأ ونسیان اور تصحیف وتحریف کا لازمۂ بشریت ہونا ایک مسلّمہ حقیقت ہے،امام شافعی صاحب-رحمۃ اللہ علیہ-نے اپنے چہیتے شاگرد امام مزنی صاحب-رحمۃ اللہ علیہ-کو اپنی معرکۃ الآراء کتاب "الرسالۃ" ۸۰/ مرتبہ پڑھائی، ہر مرتبہ امام شافعی صاحب-رحمۃ اللہ علیہ-پر اپنی کوئی نہ کوئی غلطی واضح ہوتی تو اس کی خود ہی اصلاح فرماتے،

آخر ایک مرتبہ فرمایا: «هيهات أبى الله أن يكون كتابا صحيحا غير كتابه.» (رد المحتار على الدر المختار، مقدمة: ١/١٠٥) یعنی: چھوڑ بھی! اللہ نے طے فرمادیا ہے کہ: اسی کی ذات اور اسی کا کلام خطا ونسیان اور تصحیف وتحریف سے معصوم ومحفوظ ہے، اور بس۔

امام احمد ابن حنبل صاحب -رحمۃ اللہ علیہ- نے تو یہاں تک فرمادیا: «من يعرى من الخطإ و التصحيف؟؟» (مقدمة ابن الصلاح، معرفة المصحّف: ١٤٠)

امام اللغویین صلاح الدین خلیل الصفدی نے تو کمال ہی کردیا، پڑھیے اور سر دھنیے: «إنّ التصحيف و التحريف قلّما سَلِمَ منهما كبير، أو نجا منهما ذو إتقان؛ ولو رسخ في العلم رسوخ «ثبير»، أو خلص من معرّتهما فاضلٌ؛ ولو أنّه في الشّجاعة «عبدالله العوّام»، أو في البراعة «ابن الزبير الشاعر» خصوصا ما أصبح النّقل سبيله أو التقليد دليله. فقد صحّف جماعةٌ هم أئمّةُ هذه الأمّة، وحرّف كبارٌ بيدِهِمْ من اللغة تصريفُ الأزِمّة.

منهم مِن البصرةِ أعيانٌ/ كالخليل بن احمد، وأبي عمرو بن العلاء، وعيسى بن عمر، وأبي عبيدة معمر بن المثنّى، وأبي الحسن الأخفش، وأبي عثمان الجاحظ، والأصمعي، وأبي زيد الأنصاري، وأبي عمر الجَرْمي، وأبي حاتم السّجستاني، وأبي العبّاس المبرّد.

ومن أئمّة الكوفة اكابرُ/ كالكِسائي، والفرّاء، والمُفضّل الضبّي، وحمّاد الراوية، وخالد بن كلثوم، وابن الأعرابي، وعليّ الأحمر، ومحمد بن حبيب، وابن السّكّيت، وأبي عُبيد القاسم بن سلّام، وعلي اللّحياني، والطوال، وأبي الحسن الطوسي، وابن قادم، وأبي العبّاس ثعلب.»

وحَسْبُك هؤلاء السادة الأعلام، والقادةِ لِأرباب المحابر والأقلام. (معلوم ہوگیا ان عظیم سرداران علم اور رہنمایان قوم، قلم وتحریر کے مالکوں کے ماننے کی اس فہرست سے کہ: خطا ونسیان اور تصحیف وتحریف نے کس کو چھوڑا ہے!!!!!)

امام صفدی وجہ بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں ـــ اور ان حضرات ائمہ -رحمہم اللہ- کی طرف سے عذر بیان کررہے ہیں:

إذا تــغـلـغـلَ فِـكْـرُ المَـرْءِ فِـي طَـرَفٍ ... مِـنْ عِـلْـمِـهِ غَـرِقَـتْ فِيْـهِ أَوَاخِـرُهُ

ترجمہ: جب کسی شخص کی فکر وتوجہ اس کی اپنی معلومات کے ایک حصہ میں حد درجہ مشغول ہوجاتی ہے، تو دیگر علوم اور امور پس پردہ چلے جاتے ہیں۔

(تصحيح التصحيف و تحرير التحريف، ص: ١٠)

خلاصۂ کلام:

ثابت ہوا کہ: انتقاد وتنقید اور اصلاح وتعقیب ایک شریف عمل اور ایک عظیم ذمہ داری ہے، نیز تاریخ علمی کا ایک روشن باب، انسانی کمزوری کا ایک بہترین علاج، اور اللہ -جل شانہ- کی قدرت کا عجیب وغریب مظہر ہے۔

اصلاح وتنقید کا بدترین پہلو:

تاہم کبھی کبھی عمل اصلاح وتنقید کی بنا فاسد ہوتی ہے، یا ہوجاتی ہے۔ اس صورت میں یہ مبارک عمل بدترین گناہ، یعنی: أعراض انسانی کے ساتھ کھلواڑ بن جاتا ہے، بلکہ بسا اوقات ہدم اسلام کے مرادف ہوجاتا ہے۔ حافظ المحدثه النقادة شمس الدين الذهبي کچھ ایسی ہی دردناک صورت حال پر یوں نوحہ کناں ہیں: «فإن آنست [أيّها النّاقد] مِن نفسك فهما و صدقا و دينا و ورعا، وإلا فلا تتعَنَّ، وإن غَلَبَ عليك الهوى، و العصبيّةُ لرأي ولمذهبٍ، فبِاللّهِ لاتتعب، وإن عرفت أنّك مُخلّط مخبّطٌ مُهمِلٌ لحدودِ اللهِ، فأرِحنا منك. .... ولايحيق المكر السيء إلا بأهله.» (تذكرة الحفاظ: ١/١٠)

تنقید مذموم کا برا اثر کبار وصغار پر:

مولانا عبدالحیٔ صاحب محلی فرنگی -رحمۃ اللہ علیہ- تحریر فرماتے ہیں: «وهذا [الجرح على غير موضعه] من أعظم المصائب، تفسد به ظنون العوام و تسري به الأوهام في الأعلام.» (الرفع والتكميل: ٦٧) یعنی: تنقید بے جا ایک ایسی عظیم مصیبت ہے جس سے عوام کے خیالات بگڑ جاتے ہیں، اور اسی تنقید بے موقع

کے سبب بڑوں بڑوں تک اوہام وخرافات کی رسائی ہو جاتی ہے۔

تنقید مذموم کے حوالہ سے علما کا بہترین کردار:

چنانچہ جب جب دوسری صورت حال (تنقید فاسد) پیش آئی، علماء اسلام نے الذبُّ عن الحق والدفاع عن أهله (امر حق کو صاف ستھرا، اور واضح کرنا، اور اہل حق کی صحیح پوزیشن پیش کرنا) کا فریضہ انجام دیا ہے۔ یہ تحریر اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

(الف) کیا دعوت وتبلیغ کا کام اپنے نہج سے ہٹ گیا ہے؟

دعوت الی اللہ کی عالی مبارک محنت- جس نے ایک صدی کے اندر اندر عالم اسلام پر وہ گہرا اثر ڈالا جس کی نظیر نہیں ملتی- کے بارے میں اللہ معلوم کیوں؟ آج یہ باور کرایا جا رہا ہے کہ کام نہج سے ہٹ گیا، حتی کہ بے چارے بہت سے لوگ کام کے حوالہ سے وہ انشراح قلبی اور کیفیتِ باطنی کھو بیٹھے، جو انہیں دن میں بندگانِ خدا پر ترس کھانے اور انہیں ان کے رب سے ملانے کے لئے بے چین رکھتی تھی، اور رات رات اپنے کریم رب کے حضور پیشانی رگڑنے اور گرم گرم آہیں بھرنے پر مجبور کر دیتی تھی۔ اور وہ بفعلِ الٰہی ﴿فَإِذَا فَرَغْتَ [أي: مِن التبليغ] فَانْصَبْ﴾ [العيادي بشرح الشهاب: ۸/۳۲۵] کی عملی تفسیر تھے۔

تبلیغ کا یہ دورِ رابع اور حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مرحوم کی شہادتِ صدق:

حالانکہ تبلیغ کا یہ دورِ رابع - جو حضرت مولانا زبیر الحسن صاحب مرحوم اور حضرت مولانا محمد سعد صاحب مدظلہ کی مشترک قیادت کا دور کہلاتا ہے- اس کے بارے میں حضرت مولانا ابوالحسن علی الحسنی الندوی- رحمۃ اللہ علیہ- کی شہادتِ صدق موجود ہے:

''دعوتوں اور تحریکوں اور انقلابی کوششوں کی تاریخ بتلاتی ہے کہ جب کسی دعوت وتحریک پر کچھ زمانہ گذر جاتا ہے یا اس کا دائرۂ عمل وسیع سے وسیع تر ہو جاتا ہے (اور خاص طور پر جب اس کے ذریعہ نفوذ واثر اور قیادت کے منافع نظر آنے لگتے ہیں) تو اس دعوت وتحریک میں بہت سی ایسی خامیاں، غلط مقاصد اور اصل مقصد سے تغافل شامل ہو جاتا ہے جو اس دعوت کی افادیت وتاثیر کو کم یا بالکل معدوم کر دیتا ہے۔

لیکن یہ تبلیغی جماعت ابھی تک (جہاں تک راقم کے علم ومشاہدہ کا تعلق ہے) بڑے پیمانے پر ان آزمائشوں سے محفوظ ہے۔'' (مقدمہ بر منتخب احادیث، ص: ۱)

حضرت مولانا علی میاں صاحب مرحوم سے زیادہ دور رس نگاہ رکھنے والا، صاحب بصیرت انسان، اور اس کام میں ان سے زیادہ پرانا اور قدیم کون ہوگا؟؟؟

تبلیغ کے نہج سے ہٹ جانے کی حقیقت:

کام کے نہج سے ہٹ جانے کے پرفریب نعروں کے پس پردہ، صرف ۳/ باتیں سامنے آ سکی ہیں: (الف) منتخب احادیث (ب) گھروں میں روزانہ قرآن سیکھنا (ج) مساجد کو قرآنی مکاتب، حدیثی حلقے، دین کے سیکھنے سکھانے اور اسے لے کر عالم میں دیوانہ وار پھرنے پر آمادہ کرنے، علماء کرام اگر موجود ہوں تو ان سے وضو نماز جیسے ضروریات دین کے مسائل سیکھنے وغیرہ امور سے آباد رکھنا، معمور کرنا۔ کہنے والے کہتے ہیں: اگر مندرجہ بالا ۳/ باتوں کو چھوڑ دیا جائے تو کام نہج پر آ جائے گا۔ اللّٰهم إليك المشتكى وأنت المستعان، ولاحول ولاقوة إلا بك.

چوتھی بات: شوریٰ بنانا، سو تمام ملکوں کی الگ الگ شوریٰ کی جماعتیں بنی ہوئی ہیں، اور مرکز دعوت وتبلیغ مسجد بنگلہ والی کی بھی شوریٰ بن چکی ہے۔

والحمد للہ علی ذلک.

مسئلہ عالمی شوریٰ کا:

موجودہ صورت حال میں درپیش مسائل کا شاید یہ سب سے عظیم مسئلہ ہے۔۔۔ جہاں تک راقم الحروف کے علم و معلومات کا تعلق ہے، ہمارے وہ حضرات جنھوں نے مرکزِ عالم مسجد بنگلہ والی سے دوری بنالی ہے۔ گو کہ وہ وقتی ہی سہی۔ الٰہا! انہیں جلد واپس کردے۔ نے اس مسئلہ کو اس حد تک اہم مانا ہے کہ اگر حضرت مولانا محمد سعد صاحب مدظلہ اسے تسلیم کرلیں، تو یہ تمام حضرات حضرت مولانا مدظلہ کی امارت کا خود اعلان کریں گے۔ اور منتخب احادیث کی تعلیم، گھروں میں قرآنی حلقے، مساجد کو قرآنی مکاتب، حدیثی حلقے، دین کے سیکھنے سکھانے اور اسے لے کر عالم میں دیوانہ وار پھرنے پر آمادہ کرنے، علماء کرام اگر موجود ہوں تو ان سے وضو نماز جیسے ضروریات دین کے مسائل سیکھنے وغیرہ امور سے آباد رکھنا، معمور کرنا وغیرہ امور پر عامل، اور ان امور کے داعی و شیدائی بن جائیں گے۔۔۔ لیکن راقم الحروف کو اس مسئلہ کے مسئلہ ہونے سے انکار ہے، اور وجہ فلسفیانہ اور دقت طلب نہیں ہے بلکہ ہر کس و ناکس اسے سمجھ سکتا ہے:

رائیونڈ میں جب یہ مسئلہ رکھا گیا تو حضرت مولانا محمد سعد صاحب مدظلہ نے اختلاف کیا، وجوہ جو بھی ہوں، اور مسئلہ طے نہ ہوسکا۔ [جن لوگوں نے اپنی رائے کے اشتہار کو انتخابی مہم کی شکل دے دی، بلکہ اس کی عالمی تشہیر کے لئے آلاتِ جدیدہ تک سے گریز نہیں کیا، حتی کہ ہر شخص اس مسئلہ پر رائے زنی کرنے لگا۔ انہوں نے بہر حال اچھا نہیں کیا، اور اپنی رائے پر اصرار کا ایک بدترین پہلو سامنے آیا]

رائیونڈ سے واپسی پر فوراً بھوپال کا سالانہ ملکی سطح کا عظیم اجتماع اللہ اللہ کر کے بحسن و خوبی انجام پا گیا، اور کوئی ناخوشگوار بات پیش نہیں آئی۔

تھوڑے دنوں کے بعد ملک کے چند پرانوں کا سہ ماہی معمول کا مشورہ ہوا۔۔۔ اور ملک ہندوستان کے قریب قریب تمام پرانوں نے شوری بنانے کی تجویز پر اتفاق کرلیا۔۔۔ مشورہ کے کمرہ میں بھائی محمد فاروق صاحب بنگلوری نے یہ مسئلہ پیش کیا اور مسئلہ کی مکمل پیروی کی۔ ماشاء اللہ بہت ہی خوشگوار ماحول میں شوری بن گئی۔ اور حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب دیولا نے مجلس کے ختم پر دعا کرادی۔

اہل شوری کے ناموں کی ایک نقل رائیونڈ اور دوسری نقل بنگلہ دیش بھیج دی گئی۔ رائیونڈ نے شوری پر اتفاق کرلیا؛ البتہ بعض اسماء پر اختلاف کیا۔ درج بالا تفصیل کی روشنی سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جب اتفاق رائے سے شوری کا مسئلہ طے ہوگیا، تو اب اس طے شدہ امر کے خلاف مطالبہ کرنا کیوں کر درست ہوگا۔۔۔ اور عالمی شوری کا مسئلہ کس طرح مسئلہ قرار پائے گا؟؟؟

راقم الحروف نے علی سبیل التنزل اس مسئلہ پر حضرت مولانا محمد سعد صاحب مدظلہ سے گفتگو کی، اور انہوں نے اپنے موقف کی جو وضاحت پیش کی، اس کی قدرے تفصیل درج ہے:

(۱) اگر شوری ۳/ ملکوں پر مشتمل بنی، تو مرکزِ عالَم کون سی جگہ قرار پائے گی، اور اس مسجد بنگلہ والی کی خصوصیت کیا بچے گی؟؟؟ مسجد بنگلہ والی کی جو حیثیت کام کے پہلے دن سے چلی آرہی ہے، وہ یکلخت مٹ کر رہ جائے گی، اور تمام ممالک جو دعوت الی اللہ کی مبارک محنت میں اسی کو قبلہ تسلیم کرتے آئے ہیں، وہ منتشر ہو کر رہ جائیں گے۔

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مرحوم نے بڑی دردمندانہ نصیحت و وصیت فرمائی تھی کہ مسجد بنگلہ والی کے مسائل کسی اور جگہ نہ اٹھائے جائیں۔ اور اپنی بصیرت و فراست کا حوالہ دے کر انتہائی مخلصانہ مشورہ دیا تھا کہ مسجد بنگلہ والی کی برکات سے محرومی کا دروازہ نہ کھولا جائے۔ اور اپنے سیاسی فہم و ادراک کا واسطہ دے کر فرمایا تھا کہ اس میں بڑے اندیشے اور خوفناک عواقب مضمر ہیں۔

(۲) فیصل میں تعدد: [ان حضرات کا ایک مطالبہ یہ بھی ہے کہ مسجد بنگلہ والی میں مشورہ کے فیصل ۵/ لوگ ہوں، اور باری باری فیصلہ کریں] تاریخ عالم میں شاید ہی کسی تنظیم و تحریک اور کسی دعوت الی الخیر پر ایسا زمانہ گذرا ہو، جس میں ذمہ داری دو یا کئی لوگوں کے درمیان مشترک رہی ہو۔۔۔ لیکن حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ کے بعد حضرت مولانا زبیر الحسن صاحب مرحوم اور حضرت مولانا محمد سعد صاحب مدظلہ دونوں حضرات کو مشترک ذمہ دار بنا دیا گیا۔۔۔ اور دیکھنے والوں نے کھلی آنکھوں دیکھا کہ ۲۰/ سالہ طویل عرصہ بحسن و خوبی گذر گیا۔۔۔ اس سے ظاہر ہے کہ دونوں حضرات نے کس طرح ایک دوسرے کی رعایت کی حتی کہ درپیش مسائلِ موجودہ۔ جن میں کوئی بات بھی نئی نہیں ہے۔ کو سر اٹھانے کا موقع نہیں مل سکا۔۔۔ تاہم اب یہ بات ممکن نہیں ہے، جب اشتراک فی الامارۃ نہیں ہے تو یہ حال ہے، اگر اشتراک فی الامارۃ ہوگیا تو حال بد سے

ر ہو جائے گا۔ لا قدّرَها الله.

(ج) فیصلہ کا طریقہ: جہاں تک راقم الحروف کے علم و معلومات کا تعلق ہے اسے یہ بات پہنچی ہے کہ ہمارے یہ حضرات جنہیں اختلاف ہے حضرت مولانا محمد سعد صاحب مدظلہ کی امارت پر متفق ہونے کے لئے تیار ہیں --- بشرطیکہ حضرت مولانا مدظلہ اس بات کی ضمانت دیں کہ کوئی فیصلہ ۳/ ملکوں کی مشترک شوری کے ۲/ تہائی ارکان کے اتفاق کے بغیر نہیں لیں گے۔

تاریخ دعوت و تبلیغ، پیش کردہ اس موقف سے ناواقف ہے --- اور ادوارِ ثلاثۂ اُولیٰ میں امیر اور ذمہ دار کو کبھی بھی اس طرح کی پابندی کا سامنا نہیں رہا۔ واضح رہے کہ یہی وہ پابندی ہے جس کے قبول کرنے سے حضرت تھانوی - رحمۃ اللہ علیہ - نے انکار کر دیا تھا۔ ممکن ہے کہ اس موقف پر کچھ دلائل ہوں --- لیکن دعوت و تبلیغ کے اکابرِ ثلاثۂ اُولیٰ کا یہ موقف کبھی بھی نہیں رہا --- تعجب ہے جو لوگ کام کو نہجِ قدیم پر باقی رکھنے کے مدعی ہیں وہ یہ نیا موقف کیوں پیش کر رہے ہیں؟؟؟

حضرت مولانا محمد سعد صاحب مدظلہ کا موقف:

حضرت مولانا محمد سعد صاحب مدظلہ کا موقف یہ ہے کہ تمام ملکوں کی شوری کی جماعتیں بنی ہوئی ہیں، حج بیت اللہ، رائیونڈ اور بنگلہ دیش کے اجتماعات میں اکثر ساتھی جمع ہو جاتے ہیں اور اہم مسائل ان موقعوں پر زیرِ غور آ جاتے ہیں --- ممالک کے کام کرنے والے پرانے ساتھی دو ڈھائی سال کے وقفہ سے مسجد بنگلہ والی میں تشریف لاتے ہیں، اور ان کے مسائل پر غور ہوتا ہے --- یہی نظام چلتا چلا آیا ہے لہٰذا کسی نئے نظام کی ضرورت نہیں ہے --- اگر آپس میں اعتماد نہیں ہے تو ۲/ تہائی اکثریت (جو ایک طرح کا ویٹو پاور، اور مغربی جمہوریت کا پرتو، نیز آپس میں بدگمانی کی واضح علامت ہے۔) مسئلہ کا حل نہیں ہے۔

(ب) حضرت مولانا محمد سعد صاحب مدظلہ اور ان پر ہونے والے اعتراضات:

ثانیاً حضرت مولانا محمد سعد صاحب مدظلہ العالی کی ذات برکات کو کچھ اس طرح ہدفِ تنقید بنایا گیا، کہ: الأمان و الحفیظ!!!

راقم السطور عرض کر چکا ہے کہ کبھی کبھی تنقید و اصلاح کی بنا، فاسد ہوتی ہے، یا ہو جاتی ہے، اس صورت میں عملِ تنقید و اصلاح بدترین گناہ، یعنی: أعراضِ انسانی کے ساتھ کھلواڑ ہو جاتا ہے، بلکہ بسا اوقات اسلام کو ڈھا دینے کے مرادف بن جاتا ہے۔

حضرت مولانا محمد سعد صاحب مدظلہ پر ہونے والے اعتراضات کے اسباب:

جب ہم غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا محمد سعد صاحب مدظلہ پر اکثر تنقیدیں، تنقیدِ فاسد کا ایک عجیب و غریب نمونہ ہیں۔ جن کی حقیقت:

(۱--- ناواقفیت۔ ۲--- تعبیرِ جدید پر بدعت ہونے کا شبہ۔ ۳--- تحمّل و تدبر کو کام میں نہ لانا اور ذہنی تحفظات کا گرفتار بنا رہنا۔ ۴--- حضرت مولانا مدظلہ کے کلام کا ایسا محمل متعین کرنا، جس سے خود وہ راضی نہیں ہیں۔ یعنی: توضیح القول بما لا یرضی به القائل. ۵--- بے جا الزامات و اتہامات۔) کے سوا کچھ نہیں۔

حضرت مولانا محمد سعد صاحب مدظلہ انسانوں میں کے ایک انسان اور بشر:

راقم السطور حضرت مولانا مدظلہ کو غلطیوں سے مبرا کوئی مافوق الفطرۃ انسان خیال نہیں کرتا --- بلکہ انہیں انسانوں میں کا ایک انسان اور بشر سمجھتا ہے، جس سے غلطیاں ہوتی ہیں، بھول چوک سرزد ہوتی ہے --- لیکن انسانی کمزوریوں پر تاک کر نشانہ سادھنا، اور کسی انسان کے اپنے اعتقاد، عمل اور احوالِ خیر سے یکسر پہلوتہی کرنا سراسر ظلم و عدوان اور علمی خیانت ہے، اس کی اجازت کسی کو کیوں کر دی جا سکتی ہے؟؟؟۔

کلام کی مراد متعین کرنے میں متکلم کے اعتقاد و عمل اور اس کے احوالِ خیر کا اثر:

اعتقاد و عمل اور حالاتِ خیر بھی کلام کا محمل متعین کرنے کا ایک مسلّمہ اصول ہیں: علمِ بلاغت کا ضابطہ اور قانون یہ ہے کہ قائل کے قول: «أنبت الربيع البقل» (موسمِ ربیع نے پھل اگایا) میں انبات (اگانے) کی نسبت جو موسم کی طرف کی گئی ہے، اگر اسے "حقیقت" پر محمول کیا جائے، تو کہنے والا کافر ہوگا—اور اگر اسے "مجاز" پر محمول کیا جائے تو کہنے والا مسلمان قرار پائے گا۔

عام ضابطہ کے مطابق حقیقت کو مجاز پر تقدم حاصل ہوتا ہے—لیکن یہاں چونکہ معاملہ ایک انسان کی ہدایت یا ضلالت کا ہے اس لئے یہاں متکلم سے اس کا اعتقاد معلوم کیا جائے گا، اور حسب الاعتقاد کلام میں اسناد کا محمل حقیقت یا مجاز متعین کیا جائے گا۔ (مختصر المعانی، ص:۵۳)

حضرت مولانا محمد سعد صاحب مدظلہ اور ان کے مبارک و مسعود دور میں انجام پانے والے کارہائے خیر، اور کام کی ترقی:

قبل ازاں کہ حضرت مولانا مدظلہ پر ہونے والے اعتراضات کا علمی جائزہ لیا جائے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا مدظلہ کے دورِ مسعود میں جو کارہائے خیر وجود میں آئے ہیں، اور دعوت الی اللہ کی مبارک محنت کو جو ترقی اور ارتقا حاصل ہوا ہے، اس کا ایک سرسری اور بہت سرسری خاکہ پیش کر دیا جائے تاکہ سکے کا دوسرا رُخ بھی سامنے رہے، اور نتیجے تک پہنچنے میں آسانی ہو—واللہ—تبارک و تعالی—هو الفاعل، وهو علی كل شيء قدير.

چنانچہ جب ہم حضرت مولانا مدظلہ کے ۲۰/سالہ دور میں غور کرتے ہیں، تو ہمیں صحیح اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے کام کو کیا جہت دی ہے:

(۱) تبلیغ کے اساسی اصول: ۶/نمبر کو احادیث مبارکہ سے بیان کرنے کی تاکید کی۔ اس کے لئے انہوں نے امیر ثانی اور محدث جلیل حضرت مولانا محمد یوسف صاحب—رحمۃ اللہ علیہ—کی کتاب: "منتخب احادیث" کو Edit کیا۔ اور بزبان اردو اس کا ترجمہ کروایا۔

یہی وہ پہلا امر ہے جس نے حضرت مولانا مدظلہ اور کام کے بعض پرانوں کے درمیان خلیج قائم کر دی۔ انہوں نے اللہ معلوم کیوں؟ مشورہ کی آڑ لے کر منتخب کا انکار کر دیا!!! حالانکہ مشورہ حق کی تائید کا نام ہے، نہ کہ حق کے انکار کا یا ویٹو استعمال کرنے کا۔ حضرت علی—رضی اللہ تعالی عنہ—نے اسی طرح کے ایک موقع پر جھلا کر فرمایا تھا: «كلمة حق أريد بها الباطل»: ٹائٹل تو بڑا خوبصورت ہے پر اندر کچھ اور ہے۔

دوسری طرف: ع: زبانِ خلق را نقارۂ خدا کہیے۔ ان چند پرانے حضرات کے سوا عوام و خواص، علما و طلبہ، اپنے اور پرائے سبھوں نے اس ایمانی اور واضح بات کو قبول کر لیا اور آج کتاب دنیا کے بیشتر ممالک میں پڑھی پڑھائی جاتی ہے۔ نہ جانے کتنی زبانوں میں اس کے تراجم شائع ہو گئے۔ اور بفضلِ الٰہی کتاب کو وہ حق مل گیا جس کی وہ مستحق تھی—کتابِ حدیث سے اختلاف کرنے والے بتلائیں کہ ۱۵/سال میں اس سے کام کو کیا نقصان پہنچا؟؟؟ اور کون سا اعتزال عن الجمہور لازم آ گیا؟؟؟

(۲) مساجد کو حلقاتِ ایمان، تعلیم و تعلم وغیرہ امور سے آباد کرا دیا، جس پر خود قرآن و حدیث نے تحریض کی ہے، اور جس پر جمہور اہل علم کا تعامل رہا ہے، اور اکابرِ ثلاثۂ تبلیغ جس کے شدید داعی و شیدائی رہے ہیں۔ دیکھئے: ملفوظات و مکتوبات اور بیانات اکابر ثلاثہ۔

(۳) رمضان المبارک کے مہینہ میں مرکز میں مغرب کی جماعت بہت تاخیر سے ہوتی تھی حتی کہ کراہت لازم آ جاتی تھی، اس کے خلاف علم جہاد بلند کر کے جماعت کو وقت مسنون پر لوٹا دیا؛ حالانکہ اس میں حضرت مولانا مدظلہ کو مرکز کے بڑے بڑے لوگوں کی شدید ناراضگی مول لینی پڑی۔

(۴) مرکز کے مختلف کمروں میں لوگ بلا عذر شرعی الگ الگ جماعتیں کرتے تھے، اسے سختی سے روک دیا۔ اس وجہ سے بھی بہت سے لوگ نالاں ہیں۔

(۵) قرآن کریم کے تراجم صحیحہ اور تفاسیرِ معتبرہ کے مطالعہ کی دعوت دی۔ بطور مشورہ ترجمۂ شیخ الہند اور ترجمۂ بلال حسنی کا نام پیش کیا۔

افسوس!!! جس شخص نے امت کو ترجمہ و تفسیر قرآن پڑھنے کی دعوت دی اسی کو تفسیر بالرائے کا اتہام جھیلنا پڑا۔

(۶) امت کو علما کے حلقاتِ درس میں شرکت کی دعوت دی، بلکہ خود شرکت کی۔

(۷) دار العلوم/دیوبند، مظاہر العلوم/سہارن پور، ندوۃ العلما/لکھنؤ کے اکابر کو بار بار خطوط لکھے، ان کی عظمت کا اعتراف کیا، مدارس اسلامیہ کو حضرت محمد—صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم—کا معجزہ قرار دیا، اور حضرات اکابر اہل علم کے تبلیغ میں تعاون اور مشوروں پر شکریہ ادا کیا۔

(۸) روزانہ اپنی دعوت میں علما کے احترام اور مدارس کی عظمت کا باب کھولا، جس کا دل چاہے کسی بھی دن روانگی کے بیان میں شریک ہو کر اپنے کانوں سے سن لے۔

(۹) مردوں کو ذمہ دار بنایا کہ وہ روزانہ اپنے اپنے گھروں میں عورتوں اور بچوں کو قرآن سکھائیں۔

بعض پرانے حضرات آڑے آگئے اور کہنے لگے: یہ ہمارا کام نہیں ہے یہ تبلیغ میں بدعت ہے۔ اس اہتمام کو بھی حضرت مولانا مدظلہ نے اللہ کے لئے برداشت کرلیا۔

(۱۰) بلکہ مزید عزیمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے، وقت لگائے ہوئے ساتھیوں اور مسجد کے ذمہ داروں کو مکلف کیا کہ ہر مسجد میں قرآنی مکتب قائم کریں اور بچوں کو لانے کے لئے باقاعدہ گشت کریں، اور اسے تبلیغ کا جزء لازم سمجھیں۔

(۱۱) رمضان کی آمد آمد ہے، طرح طرح سے استقبال کی تیاریاں ہورہی ہیں، اسی ہنگامے میں تراویح کو اطمینان سے پڑھنے اور اعتکاف کرنے کی اس زور سے دعوت دی کہ رُت بدل گئی اور بے شمار ویران مسجدیں معتکفین سے آباد ہوگئیں۔

اعتراض کرنے والوں نے کہا: اعتکاف کی دعوت ہمارے کام کا حصہ نہیں ہے۔ یا للعجب!!! اگر تبلیغ کا مقصد ہر سنت کے احیا کی سعی نہیں ہے تو پھر ﴿أفتؤمنون ببعض الكتاب﴾ سے یہودی علما کو جو پھٹکار لگائی گئی ہے، ہم اس سے کیونکر بچ سکیں گے۔

(۱۲) حضرت مولانا زبیر الحسن صاحب -رحمۃ اللہ علیہ- کے انتقال پر مشورہ میں خود فیصل و امیر ہونے کے باوجود بخاری شریف اپنے استاذ حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب دیولا کو دے دی۔ واضح رہے کہ حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب دیولا کو اس سے قبل مشکاۃ المصابیح اور طحاوی شریف حضرت مولانا مدظلہ نے ہی دی تھی۔

(۱۳) فجر کے بیان میں اپنے علاوہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب، حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب، اور حضرت مولانا احمد صاحب کو شریک فرمایا — حالانکہ حضرات اکابر ثلاثۂ تبلیغ کے دور میں فجر کا بیان صرف ایک شخص ہی کرتا تھا — واضح رہے کہ حضرت جی مولانا محمد انعام الحسن صاحب -رحمۃ اللہ علیہ- نے جو شوریٰ طے فرمائی تھی، اس میں مندرجہ بالا تینوں حضرات کا نام نہیں تھا — رکن شوریٰ یا فیصل ہونے کی حیثیت صرف حضرت مولانا زبیر الحسن صاحب -رحمۃ اللہ علیہ- اور حضرت مولانا مدظلہ کو ہی حاصل تھی — اس کے باوجود ماشاء اللہ اپنے اختیار کا صحیح استعمال کرکے تقسیم کتب در مدرسہ کاشف العلوم، اور بیانات در مسجد بنگلہ والی وغیرہ امور میں حضرات قدما کا احترام ملحوظ رکھا، اور انہیں ان کی حیثیت کے مطابق شرکت دی۔

(۱۴) حضرت مولانا زبیر الحسن صاحب -رحمۃ اللہ علیہ- کے سانحۂ ارتحال پر عزم ایمانی کا مظاہرہ کرکے انہیں عام قبرستان میں دفن کرنے کی رائے قائم کی — اگر اکابر تبلیغ مولانا کا ساتھ دیتے تو مسجد بنگلہ والی کی موقوفہ زمین پر خلاف عقل و نقل اور خلاف مشورہ یہ قابل اعتراض بات پیش نہ آتی — جب اس رائے پر انہیں تائید حاصل نہ ہوسکی، تو مولانا محمد ابراہیم دیولا اور مولانا احمد لاٹ و دیگر حضرات کو اپنی وصیت نوٹ کرادی کہ: "جب میرا وقت اخیر آئے تو مجھے عام قبرستان میں دفن کرنا۔"

(۱۵) ذمہ داری میں اشتراک کے سبب جو (بیعت) موقوف تھی، حضرت مولانا زبیر الحسن صاحب -رحمۃ اللہ علیہ- کی وفات کے بعد جب علت اشتراک ختم ہوگئی، تو بیعت شروع کردی، اور وہ مبارک سلسلہ جو حضرات اکابر ثلاثہ -رحمہم اللہ- کے زمانہ میں تسلسل کے ساتھ قائم تھا، اور سیکڑوں بلکہ ہزاروں بندگان خدا اور بندیوں کو توبہ کی توفیق ہوتی تھی۔ دوبارہ شروع ہوگیا۔

واضح رہے کہ سلسلۂ تصوف میں حضرت مولانا مدظلہ کو حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی اور حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائے پوری -رحمۃ اللہ علیہما- دونوں کی نسبتیں حاصل ہیں۔ جس کا دل چاہے مولانا افتخار الحسن صاحب کاندھلوی اور مولانا محمد اسحٰق صاحب شیخ الحدیث مدرسہ نوح (میوات) سے معلوم کرلے۔

(۱۶) ہر کام کرنے والے کو خصوصاً اور تمام مسلمانوں کو عموماً (حیاۃ الصحابہ) اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی -رحمۃ اللہ علیہ- کے خطوط اور بیانات پڑھنے کی دعوت دی تاکہ کام اصل نہج سے قریب سے قریب تر ہوجائے۔

(۱۷) تبلیغ کے اصولوں پر سختی سے عمل کرتے ہوئے حضرت مولانا مدظلہ نے آج تک آلات مواصلات جدیدہ کا استعمال نہیں کیا۔ بلکہ ان چیزوں کو احیاء کلمہ کی راہ میں سخت رکاوٹ سمجھتے رہے اور ہیں۔

(۱۸) جس طرح عام امت کو دعوت دی، اسی طرح اپنے جگر پاروں کو سال لگانے پر مجبور کردیا — بلکہ ایسے ایسے علاقوں میں بھیجا جہاں انہوں نے ۲۰، ۲۰/ دن اپنے ہاتھوں سے کھانا پکایا اور بجلی کی صورت بھی نہیں دیکھی۔

(۱۹) بیرون ملک اجتماعات اور جوڑوں میں شرکت کرنے کے لئے پورے ملک کے ذمہ داروں کو موقع دیا، جبکہ پہلے چند ہی لوگ جاسکتے تھے۔

(۲۰) بیرون ملک جانے کی ایسی دعوت دی کہ دنیا جماعتوں سے بھر گئی، اور آج ان ملکوں میں بھی کام پہنچ گیا، جہاں ابھی تک کوئی راہ نہ تھی۔

(۲۱) علما کے اختلاف کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے مستورات کے کام کو آگے بڑھایا اور ہر گھر میں جماعت پہنچا کر حلقات ایمان و علم کو قائم کردینے کا عزم ظاہر کیا۔

حضرت مولانا محمد سعد صاحب مدظلہ پر ہونے والے اعتراضات کا ایک علمی جائزہ:

(۱) اعتراض، تفسیر بالرائے:

کسی عالم دین پر یہ بہت ہی سنگین اتہام ہے کہ وہ اللہ –جل شانہ– کی کتاب: ''قرآن مجید'' کی تفسیر دیگر قرآنی آیات، احادیث اور اقوال سلف سے ہٹ کر کرے۔

نعوذ باللہ من ان نؤوّلَ کتابہ من آرائنا، أو نُبهّتَ احدا من المسلمین به.

ذیل میں چند آیات اور ان کی وہ تفسیریں جو حضرت مولانا مدظلہ نے فرمائی ہیں، ان کا دیگر اہل علم کی تفسیروں سے مقارنہ پیش کیا جا رہا ہے:

آیت قرآنی: ﴿وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ.﴾ [پارہ:۲۱، سورۃ: عنکبوت، آیت نمبر:۴۵]:

حضرت مولانا مدظلہ نے فرمایا: مندرجہ بالا آیت قرآنی میں: ''اللہ کا بندے کو یاد کرنا مراد ہے۔''

معلوم ہونا چاہئے کہ صحابۂ کرام –رضوان اللہ علیہم اجمعین– میں سے حضرت عبداللہ ابن عباس، حضرت عبداللہ ابن مسعود، حضرت عبداللہ ابن عمر، حضرت ابوالدرداء، حضرت سلمان فارسی وغیرہم نے یہی تفسیر فرمائی ہے۔ (طبری: ۲۰/۹۹–۱۰۰، درمنثور: ۶/۴۶۶)

تابعین –رحمہم اللہ– میں سے محمد ابن ابوموسیٰ، سعید ابن جبیر، عکرمہ، مجاہد، شعبہ وغیرہم سے یہی تفسیر منقول ہے۔ (حوالۂ سابق)

امام طبری نے درج بالا تفسیر کے علاوہ ۴/ تفسیریں اور کی ہیں — امام سیوطی نے مزید ایک تفسیر: ''حلقات ایمان وعلم'' سے بھی کی ہے۔

امام طبری نے تفسیر اولی (اللہ کا اپنے بندے کو یاد کرنا) کو ان الفاظ میں راجح قرار دیا ہے: «قال أبو جعفر: وأشبه هذه الأقوال بما دلّ عليه ظاهر التنزيل **قول مَن قال: ولذِكر الله إيّاكم أفضل مِن ذكركم إيّاه.**»

دلیل ترجیح:

علماء مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ: تفسیر القرآن بالقرآن (قرآن کی تفسیر دیگر قرآنی آیات کی مدد سے) سب سے زیادہ راجح تفسیر کہلاتی ہے۔ بحمد اللہ تفسیر مذکورہ بالا، تفسیر القرآن بالقرآن ہے۔ طبری (۲۰/۱۰۰) میں ہے: «عن عطيّة عن ابن عباس –رضي الله عنهما– قال: هو كقوله –تعالى–: ﴿فاذكروني أذكركم﴾» [پارہ:۲، سورۃ: بقرۃ، آیت نمبر:۱۵۲]

عطیہ حضرت ابن عباس –رضی اللہ عنہما– سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس –رضی اللہ عنہما– نے فرمایا: اس آیت ﴿ولذكر الله اكبر﴾ کی تفسیر قرآن کی دوسری آیت ﴿فاذكروني أذكركم﴾ سے کی جائے گی۔ یعنی اللہ –رب العزۃ– کا قانون یہ ہے کہ: اے بندے! تو مجھے یاد کر، میں تجھے یاد کروں گا، چونکہ نماز کے ذریعہ بندے نے اپنے رب کو یاد کر لیا؛ اس لئے اب اللہ اپنے بندے کو یاد کرے گا — اور ظاہر ہے اللہ کا اپنے بندے کو یاد کرنا بندے کے اللہ کو یاد کرنے سے زیادہ بڑا اور افضل ہے۔

علاوہ ازیں حضرت ابن عباس –رضی اللہ عنہما– نے ﴿ولذكر الله اكبر﴾ میں ''ذکر'' کی تفسیر تسبیح وتحمید وتکبیر اور قرأت قرآن سے کرنے پر تعجب کا اظہار فرمایا ہے: طبری (۲۰/۹۹) میں ہے: «عن عبدالله بن ربيعة، قال لي ابن عباس –رضي الله عنهما–: هل تدري ما قوله: ﴿ولذكر الله اكبر﴾؟ قال: قلتُ: نعم!

١

...: فماهو؟ قلتُ: التسبيح، والتحميد، والتكبير في الصلاة، وقراءة القرآن، ونحو ذلك. قال ابن عباس –رضي الله عنهما–: لقد قلتَ قولاً ...، وماهو كذلك، ولكنه –تعالى شأنه– إنما يقول: ذكر الله إياكم –عندما أمر به أو نهى عنه؛ إذا ذكرتموه– أكبر من ذكركم إياه.»

ابن کثیر –رحمہ اللہ– نے بھی اسی تفسیر کو راجح قرار دیا ہے۔(ابن کثیر:۳/۵۳۶) واللہ اعلم۔

فرمایا جائے: یہاں تفسیر بالرائے کہاں ہے؟؟؟ اور کس طرح؟؟؟

آیت قرآنی: ﴿فإذا قُضِيت الصلاۃ، فانتشروا في الأرض، وابتغوا من فضل الله.﴾ [پارہ:۲۸، سورۃ:جمعہ، آیت نمبر:۱۰]:

حضرت مولانا مدظلہ نے "فضل اللہ" کی تفسیر: "گشت، ملاقات اور حلقات علم وایمان سے فرمائی۔"

"فضل اللہ" کی مراد علماء تفسیر کے اقوال کی روشنی میں:

حضرت ابن عباس اور حضرت انس –رضی اللہ عنہم اجمعین– کی اس تصریح کے ساتھ کہ یہاں "طلب دنیا" مراد نہیں ہے، درج ذیل امور مراد لئے گئے ہیں: (۱) عیادت مریض (۲) نماز جنازہ میں شرکت (۳) زیارۃ أخ في اللہ (مسلمان بھائی سے ملاقات کرنا) (طبری:۲۸/۶۶، ودر منثور:۸/۱۶۴)

(۴) ایک مرفوع روایت سے نکاح کی شرکت بھی معلوم ہوتی ہے۔(طبرانی کذا في الدر المنثور)

(۵) حلقات علم وایمان (روح المعانی:۲۸/۱۰۳) (۶) اجازت تجارت (۷) فضیلت تجارت (طبری ودر منثور) واللہ اعلم۔

اگر حضرت ابن عباس، حضرت انس کی تفسیر: زیارۃ أخ في اللہ کا ترجمہ مسلمان بھائیوں کے یہاں گشت کرنا، اور ان سے ملاقات کرنا، کیا گیا— تو بتلایا جائے کہ: صحیح ترجمہ کیا ہوگا؟؟؟ اور موجودہ ترجمہ تفسیر بالرائے کیوں کر ہے؟؟؟ واضح رہے کہ حضرت انس کی تفسیر مرفوع روایت ہے۔

آیت قرآنی: ﴿اذکرني عند ربک، فأنساه الشیطن ذکر ربّہ، فلبث في السجن بضع سنین﴾ [پارہ:۱۲، سورۃ:یوسف، آیت نمبر:۴۲]:

حضرت مولانا مدظلہ نے تفسیر فرمائی کہ: "سیدنا حضرت یوسف –علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام– کا قیدی سے یہ کہنا: بادشاہ کے حضور میرا ذکر کر دینا کہ میں بے قصور سلاخوں کے پیچھے ہوں، سیدنا حضرت یوسف –علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام– کی شان نبوت اور ان کا تعلق مع اللہ اس بات سے بہت بلند وبالا تھا کہ وہ اپنی حاجت اللہ کے کسی غیر کے سامنے پیش کرتے، اس لئے انہوں نے –ہزاروں سلام ان پر– جب یہ عرضی بادشاہ کے حضور لگوائی تو اللہ کی شان کہ شیطان نے اس قیدی کو یہ بات ہی بھلا دی اور سیدنا حضرت یوسف –علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام– مزید ۷/ سال جیل میں رہ گئے۔"

مدت قید کے دراز ہو جانے کا سبب حدیث رسول اللہ –صلی اللہ علیہ وعلی یوسف نبی اللہ وسلم– میں سیدنا حضرت یوسف –علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام– کے اس جملے ﴿اذکرني عند ربک﴾ کو ہی قرار دیا گیا ہے۔ حدیث نبوی کے رواۃ: صحابۂ کرام –رضی اللہ عنہم اجمعین– میں سے حضرت ابن عباس، حضرت انس اور حضرت ابو ہریرہ ہیں— اور تابعین –رحمہم اللہ– میں سے حضرت عکرمہ، حضرت حسن بصری، حضرت قتادۃ، حضرت مجاہد اور حضرت مالک بن دینار ہیں، ان حضرات نے وقفا وبلاغا روایت بیان کی ہے جو مرفوع کا درجہ رکھتی ہے— بلکہ حضرت حسن بصری تو اس پر رویا کرتے تھے کہ جب سیدنا حضرت یوسف –علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام– جیسا جلیل القدر پیغمبر اتنے سخت حالات اور آزمائش میں بھی اپنے ایک جملے کے سبب جو ظاہراً استعانت بالغیر پر مشتمل تھا، اللہ –رب العزۃ– کے عتاب کا مورد ٹھہرا، تو ہم جیسوں کا کیا حال بنے گا جو ہمہ وقت لوگوں کے ہی درپے رہتے ہیں۔(طبری:۱۲/۱۳۲، ۱۳۳، ودر منثور:۴/۵۳۶)

روح المعانی (۱۲/ ۲۴۷) میں بھی یہ تفسیر منقول ہے، اور یہی تفسیر ان کے یہاں راجح معلوم ہوتی ہے۔

مدارک نے تو ﴿فأنساہ الشیطن ذکر ربّہ﴾ کی تفسیر: «فأنساه أي یوسفَ الشیطنُ ذکرَ اللهِ، حتی استعان بغیره.» سے کی ہے۔(تعلیقہ:۱۳، جلالین:۱۹۳)

غلط فہمی کی وجہ:

معترض کو غلط فہمی یہ ہے کہ اس تفسیر سے سیدنا حضرت یوسف۔علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام۔ پر آنچ آتی ہے!

معترض کو خبر نہیں کہ وہ بات جو عامیوں کیلئے جائز ہوتی ہے، وہی مقربین اور متعلقین کے لئے وجہ عتاب بن جاتی ہے۔۔۔ اور یہ عتاب ان کے تقرب الی اللہ اور تعلق مع اللہ کی دلیل ہوا کرتا ہے جو انہیں عام مسلمانوں سے ممتاز کرتا ہے۔ واللہ اعلم۔

جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

آیت قرآنی: ﴿وانفقوا في سبيل الله، ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة.﴾ [پارہ:۲، سورۃ: بقرۃ، آیت نمبر:۱۹۵]:

حضرت مولانا مدظلہ نے اس آیت میں انفاق کو مقید مانا ہے، یعنی یہاں ہر کار خیر میں خرچ کرنا مراد نہیں ہے، ﴿ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة﴾ کی وعید اس پر دال ہے؛ کیونکہ وعید امر مستحب اور نفل کے چھوڑنے پر وارد نہیں ہوتی۔۔۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں انفاق فرض مراد ہے زکوۃ کے علاوہ۔۔۔ حضرت ابو ایوب انصاری۔رضی اللہ عنہ۔ کی تفسیر سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ آیت اس وقت اتری جب اللہ۔رب العزۃ۔ نے اسلام کو غلبہ اور قوت عطا فرمادی اور ہم انصار نے آپس میں یہ سوچا کہ اب باہر نکلنے کی کیا ضرورت ہے؟ ہم اپنے وطن مدینہ منورہ میں رہ کر کاروبار دنیا کو ذرا مضبوط کریں گے، ظاہر ہے کاروبار دنیا میں مشغول ہونا مقامی اعمال نماز، روزہ، زکوۃ اور تعلیم وتعلم کے ساتھ تھا۔۔۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی، اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے سے منع کیا گیا۔

حضرت مولانا مدظلہ کی تفسیر کا مقارنہ جب دیگر اہل علم کی تفسیروں سے کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ: حضرت تھانوی۔قدس سرہ۔ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی۔رحمۃ اللہ علیہ۔ نے بھی آیت میں تخصیص مانی ہے اور وہ بھی تقیید کے قائل ہیں۔(بیان القرآن ومعارف القرآن)

مفتی محمد شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں: ''اس (آیت) سے فقہاء نے یہ حکم بھی نکالا ہے کہ مسلمانوں پر زکوۃ فرض کے علاوہ بھی دوسرے حقوق فرض ہیں، مگر وہ نہ دائمی ہیں اور نہ ان کے لئے کوئی نصاب اور مقدار متعین ہے، بلکہ جب اور جتنی ضرورت ہو اس کا انتظام کرنا سب مسلمانوں پر فرض ہے۔'' (معارف القرآن)

واضح رہے کہ ابن کثیر (۱/۲۹۹) کا رجحان بظاہر عموم انفاق معلوم ہوتا ہے، تاہم ان کے یہاں بھی تقیید ہی مراد ہے، لفظ (لمن لزمه واعتاده) تقیید وتخصیص پر ہی دلالت کر رہا ہے۔ واللہ اعلم۔

آج مسلمانوں کی اپنے دین کے تئیں بے رغبتی بلکہ توحش روز روشن کی طرح عیاں ہے، ان پر رحم کھانا اور انہیں دنیا وآخرت کے عذاب سے نکالنے کی کوشش ایک اہم فریضہ ہے۔ اس لئے دعوت الی اللہ کے اس عظیم الشان کام کے لئے اگر اس آیت سے استدلال فرمایا گیا تو اسے تفسیر بالرائے کیوں کر کہا جا سکتا ہے؟؟؟

آیت قرآنی: ﴿وما أعجلك عن قومك يا موسى، قال هم أولاء على أثري وعجلت إليك ربي لترضى، قال فإنا قد فتنا قومك من بعدك وأضلهم السامري.﴾ [پارہ:۱۶، سورۃ طٰہٰ، آیات نمبر:۸۳،۸۴،۸۵]:

حضرت مولانا مدظلہ نے دعوت الی اللہ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ: ''دعوت الی اللہ اتنا اہم فریضہ ہے کہ اگر اس میں خطأ اجتہادی سے بھی تاخیر یا توقف ہو گیا، تو قوم کو گمراہی پکڑ لے گی۔۔۔ دلیل کے طور پر سیدنا حضرت موسیٰ۔علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام۔ کا اپنی قوم یا قوم کے ذمہ داروں/نقباء کو پیچھے چھوڑ کر، ان سے پہلے تنہا بارگاہ ایزدی میں کوہ طور پر پہنچ جانا ہے۔ اور نتیجتاً قوم کی بڑی تعداد فتنہ میں مبتلا ہو گئی۔''

بس اتنا سننا تھا کہ معترض بے چارے کو اعتراضات ہی اعتراضات نے آگھیرا: (الف) موسیٰ۔علیہ السلام۔ کا ذنب ومنکر کا مرتکب ہو جانا۔ (ب) ہارون۔علیہ السلام۔ کے خلیفہ بنانے کا نامناسب ہونا۔ (ج) خلوت وعزلت پر آنچ آنا۔ وغیرہ۔

کرم فرمائے من! آپ سے سوال یہ ہے کہ اگر حضرات مفسرین۔رحمہم اللہ۔ بھی وہی تفسیر فرماتے ہوں، جو حضرت مولانا مدظلہ نے فرمائی ہے، تو کیا ایسے ہی اعتراضات ان پر بھی کرنا پسند کریں گے؟؟؟ اور اپنی ناواقفیت کا ثبوت دیں گے۔

علماء مفسرین کی تفسیریں پیش خدمت ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

تفسیر مظہری (۶/۱۵۶) میں ہے: «﴿فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ﴾: الفاء [في فإنّا] للسببيّة، فما وجه هذه السببيّة؟ قلتُ: لعل وجه ذلك أنّ الأنبياء
عليهم السلام– أرسِلُوا لهداية الخلق بوجهين: ظاهراً بدعوتهم إلى الإسلام وتعلّمهم الأحكام، وباطناً بجلبهم إلى الله –تعالى– عمّا سواه،
إفاضة نور الإيمان والمعرفة في قلوبهم حتى ينشرح صدورهم للإيمان ويروْا الحقّ حقاً والباطل باطلاً، ولا يتمُّ ذلك إلا عند كمال توجُّههم
ى الخلق بشراشرهم.
ولما كان عُجْلَةُ موسى –عليهم السلام– إلى الله –تعالىٰ– مَبْنِيًّا على غلبة المحبة والشوق، وسُكِرَ ذلك، انقطع عند ذلك توجُّه
اطنه عن الأمّة، فحينئذ وقع أمة في الفتنة والضلال.»

یعنی: قرآن کریم میں ہے: ﴿فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ﴾ تو اے موسیٰ! ہم نے تمہاری قوم کو فتنہ میں مبتلا کر دیا۔ سوال ہوتا ہے کہ فتنہ میں مبتلا کرنے کی وجہ کیا ہوئی؟ اسی
سوال کا جواب دیتے ہوئے جناب قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی –رحمۃ اللہ علیہ– تحریر فرماتے ہیں: چونکہ انبیاء –علیہم الصلاۃ والسلام– کی بعثت مخلوق کو ہدایت کی راہ پر ڈالنے، انہیں
اللہ کی طرف بلانے، اور اس کے احکام سکھانے کے لئے ہوتی ہے— نیز اللہ کے ہر ماسوا سے پاک وصاف کر کے ان کے دلوں کو نورِ ایمان اور معرفت سے بھر دینے کی کوشش کرنا
ہے، تا آنکہ انہیں حق و باطل صاف صاف نظر آنے لگے— یہ عظیم الشان فریضہ اُسی وقت ادا ہو سکتا ہے جب پوری توجہ کے ساتھ خلقِ خدا پر محنت اور اجتہاد سے کام لیا جائے—
لیکن موسیٰ –علیہ السلام– نے غلبۂ شوق اور محبتِ الٰہی میں آ کر بجائے اس کے کہ اپنی قوم کے ساتھ رہتے، اور انہیں کے ساتھ اللہ کے حضور حاضر ہوتے، تنہا ہی تشریف لے گئے،
نتیجتاً قوم اسی وقت فتنہ اور گمراہی کا شکار ہو گئی۔

یہی تفسیر روح المعانی (۱۶/۲۳۱) وغیرہ میں بھی موجود ہے۔ اور صراحت ہے کہ ۶/ لاکھ میں سے ۵/ لاکھ ۸۸/ ہزار لوگ فتنہ کا شکار ہو گئے۔ صرف ۱۲/ ہزار ثابت قدم رہ سکے۔
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب –رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ– کی تفسیر میں ہے: ”آپ کے منصبِ رسالت کا تقاضا یہ تھا کہ قوم کے ساتھ رہتے، ان کو اپنی نظر میں رکھتے،
اور ساتھ لاتے۔ آپ کی عجلت کرنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ قوم کو سامری نے گمراہ کر دیا۔“ (معارف القرآن: ۶/۱۳۳)

انبیاء –علیہم الصلاۃ والسلام– کی زلّات جو دراصل جواز کے دائرہ میں اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف پھسل جانے پر مبنی ہوتی ہیں— قرآن کریم انہیں اس لئے بیان کرتا ہے
تا کہ ہم لوگ جو ہمہ وقت واقعتاً گناہوں میں ڈوبے رہتے ہیں، ڈریں— چنانچہ حسن بصری –رحمۃ اللہ علیہ– جب انبیاء –علیہم الصلاۃ والسلام– کے ان احوال کو پڑھتے، یا سنتے تو
فرماتے تھے: ”ہائے ہمارا کیا بنے گا۔“
دوسری غرض انبیاء –علیہم الصلاۃ والسلام– کے مقام و مرتبہ کو واضح کرنا ہوتا ہے کہ وہ عام مسلمانوں کی طرح نہیں ہیں— بلکہ ان کی شان رفیع سے تھوڑی سی بات بھی
بڑی ستار ہوتی ہے۔ سچ ہے: حسنات الأبرار سيئات المقربين. واللہ اعلم۔

(۲) اعتراض: سنت کی تقسیم میں نئی اصطلاح:

حضرت مولانا مدظلہ نے اتباعِ سنت کی دعوت دیتے ہوئے یہ فرمایا: ”ہمیں ہر چیز میں سنت کا اتباع کرنا چاہئے: دعوت میں، عبادت میں اور عادات میں— لہٰذا
ہمیں اہتمام کرنا چاہئے سنتِ دعوت، سنتِ عبادت اور سنتِ عادت کا۔“
معترض کہتا ہے کہ ہم نے فقہاء کے یہاں ۲/ قسمیں پڑھی ہیں: سنتِ عبادت، سنتِ عادت۔ یہ تیسری قسم: سنتِ دعوت کہاں سے آئی؟
محترم! فقہاء جسے ”سننِ ہدیٰ“ کہتے آئے ہیں دراصل یہ اسی کا ترجمہ، تشریح یا تعبیر بصورتِ تقسیم ہے۔
معلوم ہونا چاہئے کہ ”تواتر“ کی اقسامِ اربعہ، جب سب سے پہلے علامہ انور شاہ کشمیری –رحمۃ اللہ علیہ– نے بیان کیں— تو علماء نے ان کی تقسیم پر انہیں خراجِ تحسین
پیش کیا، نہ کہ اعتراض اور بے جا انتقاد۔ علامہ شبیر احمد عثمانی –رحمۃ اللہ علیہ– (فتح الملہم: ۱/۶) میں رقم طراز ہیں: وأوّل من ربَّعَ القِسْمَةَ، وسمَّى كُلَّ قِسم باسمه –فيما
نعلم– الشيخ العلامة الأنور –أطال الله بقاءه– وهو تقسيم حسن. والله أعلم. یعنی سب سے پہلے تواتر کی اقسامِ اربعہ بیان کرنے والے – جہاں تک میرا علم و
مطالعہ ہے – حضرۃ العلامۃ انور شاہ کشمیری ہیں – اللہ ان کے سائے کو تا دیر قائم رکھے – حضرت کی یہ تقسیم ایک بہتر تقسیم ہے۔

سوال یہ ہے کہ: اگر سنن ہدیٰ میں دعوت اور عبادت دونوں کو شامل نہ مانا جائے، تو کیا دعوت جو تمام انبیاء -علیہم الصلاۃ والسلام- کی بعثت کا مبارک مقصد ہے، بے سنت اور بے طریقہ رہے گی ــــ اور اگر حالات زمانہ کی نبض پڑھ کر کسی حکیم صادق نے تقسیم فرمادی تا کہ بات واضح ہو جائے تو بحمد اللہ اس سے علم کا ایک باب واضح ہوا نہ کہ جہالت اور بدعت کا شیوع۔ واللہ اعلم۔

(۳) اعتراض: کام سے جڑے ساتھی صرف حضرت مولانا محمد الیاس صاحب اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب -رحمۃ اللہ علیہما- کے ملفوظات، مکتوبات اور بیانات کا ہی مطالعہ کریں:

معترض کا کہنا ہے: اس سے امت، قرآن وحدیث اور دیگر اکابر سے دور ہو جائے گی۔

حضرت مولانا مدظلہ نے مندرجہ بالا بات بیان فرمائی اور جس پس منظر میں یہ بات بیان فرمائی وہ یہ ہے کہ دعوت کی اس محنت میں یہ دونوں حضرات اصل نمونہ ہیں، اس لئے دعوت کی اس محنت کو سمجھنے کے لئے ان کی کتابوں کو پڑھا جائے گا ــــ جیسا کہ دار العلوم/دیوبند میں داخلہ لینے والے کو اس بات کا بھی عہد کرنا ہوتا ہے اور دستخط دینے ہوتے ہیں کہ وہ حضرات شیخین: نانوتوی اور گنگوہی -رحمۃ اللہ علیہما- کو ہی اصل بنائے گا۔

رہی یہ بات کہ اس سے امت قرآن وحدیث اور دیگر اکابر سے دور ہو جائے گی تو یہ معترض کی غلط فہمی اور خام خیالی ہے، اور خود حضرت مولانا محمد سعد صاحب مدظلہ کی دیگر تقریروں اور دعوتوں کے خلاف ہے ــــ حضرت مولانا مدظلہ سب سے پہلے قرآن کے ترجمہ وتفسیر کے مطالعہ کی دعوت دیتے ہیں، مشورہ کے طور پر ترجمۂ شیخ الہند اور آسان ترجمۂ حسنی کا نام بھی لیتے ہیں، باندہ، لہرپور، اور بھوپال کے اجتماعات کا بیان جن لوگوں نے ریکارڈ کیا ہے ان سے سنا جا سکتا ہے۔ نظام الدین میں بھی برابر اس کی دعوت دیتے رہتے ہیں ــــ حضرت مولانا مدظلہ علما کی صحبت سے علم حاصل کرنے کی ترغیب روزانہ دیتے ہیں، نیز مسائل فقہیہ کے سیکھنے کی طرف بھی متوجہ کرتے ہیں، اور بسا اوقات حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری وغیرہ حضرات علما کی کتابوں کے نام بھی بتاتے ہیں، جس کا بھی دل چاہے کسی بھی دن مسجد بنگلہ والی میں آ کر سن لے ــــ حیاۃ الصحابہ، منتخب احادیث، فضائل اعمال اور ریاض الصالحین خود نصاب تبلیغ میں داخل ہیں۔

اب بتلایا جائے کہ: حضرت مولانا مدظلہ امت کو قرآن وحدیث وفقہ اور علما کے قریب لا رہے ہیں یا دور کر رہے ہیں؟؟؟

(۴) اعتراض: معجزہ دعوت کے ساتھ خاص ہے، نبوت کے ساتھ خاص نہیں ہے:

اس مسئلہ میں راقم الحروف نے حضرت مولانا مدظلہ سے دریافت کیا: معجزہ سے آپ کی کیا مراد ہے؟ انہوں نے جواب دیا: خرق عادت امور۔ میں نے عرض کیا: معجزہ تو ایک اصطلاح ہے، اور علما نے اسے نبوت کے ساتھ خاص مانا ہے ــــ حضرت مولانا مدظلہ نے فرمایا: میری مراد خرق عادت ہے اور علما کے کلام میں کرامات اولیا پر بھی اس کا اطلاق کیا گیا ہے۔ حضرت مولانا مدظلہ کے اس فرمانے پر مجھے تلاش ہوئی، تو قاضی محمد اعلیٰ تھانوی کی کتاب (کشاف اصطلاحات الفنون: ۲/۹۷۵) میں یہ عبارت ملی:

وأما قولهم: كرامة الولي معجزة لنبيّه مع عدم كونها مقرونا بالدعوى، فمبنيٌّ على التشبيه لا على أنها معجزة حقيقة؛ فإنّه يشترط في المعجزة أن تكون ظاهرة على يد مدعي النبوة.

مندرجہ بالا عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ: کرامات اولیا کو مجازاً معجزہ کہا جا سکتا ہے اور کہا گیا ہے ــــ لیکن بندہ نے حضرت مولانا مدظلہ سے درخواست کی کہ: آپ معجزہ اور کرامت کو الگ الگ ہی بیان کریں تو بہتر ہے ــــ کیونکہ معجزہ کی مشہور تعریف: «وهي في الشرع أمر خارق للعادة من ترك أو فعل مقرون بالتحدي مع عدم المعارضة. والتحدي: هو طلب المعارضة في شاهد دعواه من النبوة.» ہے۔ (کشاف اصطلاحات الفنون: ۲/۹۷۵) ــــ اور (لسان العرب: ۵/۳۷۰) میں بھی معجزہ کی تحقیق میں تحریر ہے: «معجزة: واحدة معجزاتِ الأنبياء -عليهم السلام-.»

چنانچہ حضرت مولانا مدظلہ نے اس درخواست کو بلا تکلف قبول کر لیا۔ جزاه الله خير الجزاء. واضح رہے کہ حضرت مولانا مدظلہ کو اپنی تعبیر پر نہ پہلے اصرار تھا اور نہ اب ہے، ایک ہی بیان ہے جسے لے کر بار بار اعتراض کیا جا رہا ہے۔

(۵) اعتراض: تبلیغ کا کام کارِنبوت ہے، اس کے علاوہ جتنے بھی دین کے کام ہیں طلب علم، تدریس، تصنیف اور تزکیہ وغیرہ یہ سارے کام کارِ نبوت نہیں ہیں:

یہ اعتراض الزام محض ہے، شواہد اس کے خلاف ہیں:

مرکز نظام الدین میں جہاں روزانہ جماعتوں کی آمد ورفت ہے۔ وہیں وہاں پر مدرسہ کاشف العلوم موجود ہے، جہاں دورۂ حدیث شریف تک تعلیم ہوتی ہے۔ حضرت مولانا مدظلہ مدرس بھی ہیں۔ حضرت مولانا مدظلہ کے ۲/ بیٹے فارغ التحصیل عالم ہو چکے ہیں، تیسرا پڑھ رہا ہے۔ حضرت مولانا مدظلہ نے خود علما کی ایک جماعت کے تعاون سے منتخب احادیث کا ترجمہ اور تہذیب فرمائی۔ حضرت مولانا مدظلہ خود روزانہ مغرب کے بعد بیعت لیتے ہیں اور تزکیہ فرماتے ہیں؛ اور یہ سارے کام نظام الدین کے مشورہ سے انجام پاتے ہیں۔

(۶) اعتراض: رسول اللہ۔صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم۔ کے بعد صرف ۳/ لوگوں کی ہی بیعت کامل ہوئی، گویا باقی تمام بیعتیں ناقص ہیں، وہ ۳/ لوگ حضرت شاہ اسماعیل شہید اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب۔ رحمۃ اللہ علیہم۔ ہیں۔ یہ کہنا خلفاء راشدین اور صحابہ کرام۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ کی شان میں گستاخی ہے:

راقم السطور نے مختلف ثقہ حضرات جنھوں نے حضرت مولانا کی مجلس بیعت میں شرکت کی ہے، سے اس بارے میں دریافت کیا کہ حضرت مولانا مدظلہ بیعت لیتے وقت کیا الفاظ بولتے ہیں اور کیا تقریر فرماتے ہیں؟ ـــ انہوں نے بتلایا کہ حضرت مولانا مدظلہ سب سے پہلے صحابہ کرام۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ کی بیعتیں جو حضرت محمد۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم۔ کے ہاتھ پر انہوں نے فرمائی تھیں، کی وضاحت اور تشریح کرتے ہیں، اور اس سلسلہ میں حیاۃ الصحابہ کا (باب البیعۃ) مطالعہ کرنے کا مشورہ دیتے ہیں ـــ دیگر باتوں کے بعد خصوصی طور پر اس بات کی طرف متوجہ کرتے ہیں کہ بیعت صرف تسبیحات پڑھنے تک اور وظائف پورا کرنے تک محدود ہو کر نہ رہ جائے؛ بلکہ یہ بیعت اللہ کے دین کو لے کر صحابہ کرام کی طرح سارے عالم میں پھرنے پر بھی ہے ـــ اس سلسلہ میں حضرت مولانا مدظلہ ماضی قریب کے بزرگوں میں خاص طور پر حضرت شہید اور شیخینِ تبلیغ اور حضرت مجدد صاحب کا نام لیتے ہیں۔

بتلایا جائے: جو شخص صحابہ کرام۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ کو ہی بطور نمونہ پیش کرتا ہو وہ ان کا گستاخ کیسے ہو گیا؟؟؟

مجدد صاحب اور شہید صاحب کے خصوصی تذکرہ کی وجہ اہل علم پر واضح ہے۔ مجدد صاحب کی تجدید اور حضرت شہید کی تصنیف نے ماضی قریب میں جو کردار ادا کیا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔ حضرات شیخینِ تبلیغ کے نام کا خصوصی ذکر دعوت الی اللہ کی اس مبارک محنت میں بہتر نمونہ کے طور پر ہے۔ واللہ اعلم۔

عقل حیران ہے کہ تخصیص کا اس قدر غلط مفہوم لینا اور پھر اس کی تشہیر کرنا کس قدر جرأت اور بے باکی ہے!!!

(۷) اعتراض: حضرت مولانا محمد الیاس صاحب۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ کے نام پر اور ان کی نسبت پر بیعت کرتے ہیں، جبکہ وہ خود حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب۔ مدظلہ۔ کے خلیفہ اور مجاز ہیں:

غالباً معترض کو خبر نہیں ـــ یا اسے الزام تراشی ہی اس کا شیوہ ہے۔

حضرت مولانا مدظلہ کو حضرت مولانا محمد الیاس صاحب، اور حضرت مولانا عبد القادر صاحب۔ رحمۃ اللہ علیہما۔ دونوں کے سلسلوں میں "اجازت" حاصل ہے۔ سلاسل اجازت مرقوم ہیں:

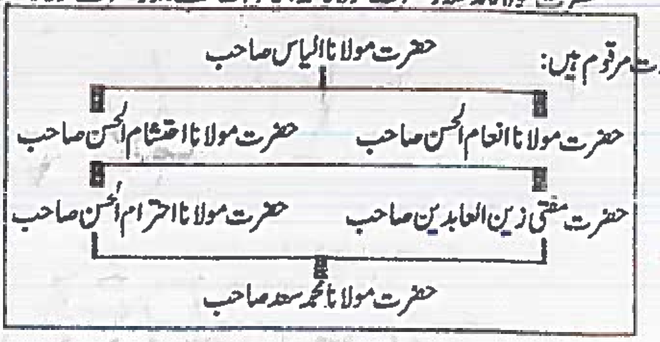

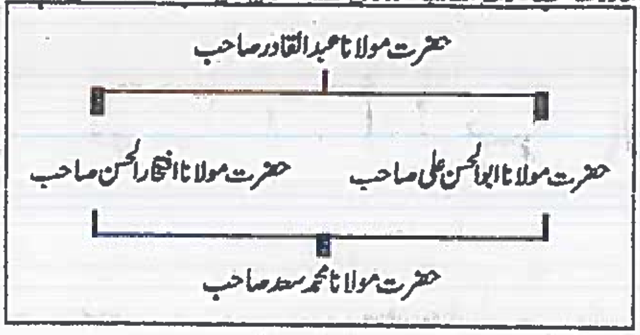

رہی یہ بات کہ درمیانی وسائط کو چھوڑ کر حضرت مولانا محمد الیاس صاحب -رحمۃ اللہ علیہ- کے نام پر بیعت لینا--- تو اس کی اجازت بلکہ اس کا حکم حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب -مدظلہ العالی- نے فرمایا ہے، اور شریعتاً طریقتاً اس میں کوئی حرج نہیں ہے؛ بلکہ ضرورت تبلیغ کے لئے مستحسن اور ضروری۔

(۸) اعتراض: عصری تعلیم اور سائنس تمہیں گمراہ کردے گی اور اللہ سے دور کردے گی:

ناطقہ سربہ گریباں!!! علما- اگر چہ وہ بعض یا ایک ہی سہی- عصری تعلیم کے ہدایت ہونے کی شہادت دیں گے، تو پھر مغرب (انگریزوں) کا کام کیا رہ جائے گا!!!

ڈسے ہوئے سے زہر کا مزہ پوچھو:

حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی -رحمۃ اللہ علیہ- لکھتے ہیں: "مغربی فلسفیوں اور مادّہ پرست فرنگیوں نے اپنی تاریخی بلکہ طبی کتابوں تک سے اسلام کو داغ داغ کرکے رکھا ہے۔" (معاصرین:۲۷)

مولانا کی دوسری کتاب (سیاحت ماجدی:۱۰۵) میں ہے: "لائبریری میں ایک کتاب نظر پڑی، موضوع مذہب نہیں تاریخ وادب تھا، دنیا کے مشاہیر کے ادب پارے اس میں جمع تھے، قرآن کے اقتباسات بھی، اسی کتاب میں پورے صفحہ پر تصویر نعوذ باللہ عرب مصنفِ قرآن کی، یعنی ہمارے حضور اکرم -صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم- کی درج تھی، اور یہ نہ پوچھئے کس درجہ زہر میں بجھی ہوئی تھی.......... صاف ایک جلاد قسم کے ڈاکو کی معلوم ہوتی تھی، نیچے تصویر کا تاریخی حوالہ بھی درج تھا۔

دوسری کتاب جس کا موضوع بھی مذہب نہیں بلکہ طب تھا.......... بدبخت نے یہ کمال کیا تھا کہ مرض صرع (Epilepsy) کا بیان کرتے کرتے ایک دم سے بیان اس میں یہ لے آیا کہ انبیا کی بعض مشہور ترین اور عظیم ترین ہستیاں بھی اس قسم کے مرض میں مبتلا رہی ہیں، چنانچہ نزول وحی کے وقت کے آثار وعلامات کا شمار آثار مرض میں کر ڈالا"

ڈسے ہوئے کی چیخ:

حضرت مولانا رقم طراز ہیں: "اب فرمائیے اکہ ایک سادہ دل مسلم نوجوان کے دل ودماغ پر پیہم حملے جب اسی قسم کے ہوں گے، تو وہ بیچارہ اپنے ایمان کو کب تک سلامت رکھ سکتا ہے؟؟؟ نتیجہ قدرتاً وہی نکلا جو نکلنا تھا، قلب میں الحاد اور ارتیاب پیوست ہوگیا، اور دماغ اپنے آپ کو مسلم کہلانے کے بجائے نیشنلسٹ، اگناسٹک کہلانے میں فخر محسوس کرنے لگا۔"

یہ گفتگو اعتراض کی حقیقت کے طور پر تحریر کردی گئی ہے ورنہ:

حضرت مولانا مدظلہ کا موضوع عصری تعلیم کے گمراہ کن ہونے کو بیان کرنا نہیں ہے--- بلکہ عصری تعلیم پر اکتفا کرنا، اور اپنے کو پڑھا لکھا سمجھ کر علوم نبوت سے بے بہرہ رہنا، اور علما کی صحبت اختیار نہ کرنے کو، غلط اور گمراہی قرار دینا ہے۔ واللہ اعلم۔

(۹) اعتراض: دعوت الی اللہ کی ترتیب کے لئے عشا کی نماز کو دیر تک مؤخر کردیا، گویا دعوت اصل مقصود ہے، اور دعوت کی اہمیت نماز سے زیادہ ہے:

خدا کے واسطہ عقل وفہم اور عدل وانصاف سے کام لیجئے--- دعوت وتبلیغ کی کیا خصوصیت؟ جلسوں اور اجتماعات میں بغرض تقریر، اور بسا اوقات مدرسوں میں بغرض تعلیم عشا کی نماز تاخیر سے ادا کرنا کیا علما کا معمول نہیں ہے، اور کیا زمانہ رسالت میں یہ بات ثابت نہیں ہے--- پھر اس میں غلط فہمی کی وجہ کیا ہے؟؟؟

اگر علما کی تقریر، طلبہ کا تکرار نماز عشا سے اہم نہ ٹھہرا--- تو بغرض دعوت الی اللہ نماز کا مؤخر ہوجانا نماز عشا کی اہمیت کو کیوں کر گھٹا دے گا۔

کرم فرما! یہ اعتراض صرف حضرت مولانا مدظلہ پر نہیں ہے بلکہ دین کے تمام ہی شعبوں میں کام کرنے والوں پر ہے۔ اللہ کی پناہ! عناد آدمی کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیتا ہے!!!

(۱۰) اعتراض: بستی حضرت نظام الدین اولیا -رحمۃ اللہ علیہ- کے وفد -جس کی قیادت حافظ نثار احمد صاحب کر رہے تھے- کی حضرت مولانا

مد ظلہ سے ملاقات اور گفتگو، نیز حضرت مولانا مد ظلہ کا دعوائے امارت جس کے نہ ماننے پر جہنم میں جانے کی بات:

مندرجہ بالا اعتراض کی حقیقت یہ ہے کہ: یہ وفد جس کی قیادت سنا ہے کہ حافظ نثار احمد صاحب کرر ہے تھے، وفد کہلانے کے لائق ہی نہیں ہے: کیونکہ (الف) انہوں نے حضرت مولانا مد ظلہ سے پہلے سے کوئی وقت ہی نہیں لیا، اور اجازت لئے بغیر کمرے میں اندر آ گئے، بلکہ گھس آئے۔ (ب) بھرے مشورہ میں جہاں نظام الدین کی موجود تمام اہم شخصیات تشریف رکھتی تھیں، بشمول حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب دیولا، یہ لوگ گردنیں پھلانگتے ہوئے اس طرح گھس کر آ گئے کہ کسی نے ۲/آدمیوں کے بیچ، کسی نے ۳/آدمیوں کے بیچ جگہ بنالی۔ (ج) اور گفتگو کرنے کی اجازت لئے بغیر، درمیان مشورہ قطع کلام کرتے ہوئے زور زور سے چیخنا اور چلانا شروع کر دیا، اور جو مشورہ سکون سے چل رہا تھا غارت ہو کر رہ گیا۔

اسی ہڑبونگ میں ایک شخص نے حضرت مولانا مد ظلہ کو مخاطب کرتے ہوئے انتہائی درشتی کے ساتھ پوچھا: تم کون ہو اس جگہ بیٹھنے والے اور فیصلہ کرنے والے؟؟؟ اس پر حضرت مولانا مد ظلہ نے زچ ہو کر، تنگ آ کر فرمایا: میں اس کام کا ذمہ دار ہوں: امیر ہوں: اگر تمہیں نہیں مانتا تو تم جاؤ جہنم میں۔

پوچھنے والے نے پھر پلٹ وار کیا اور کہا: تجھے امیر کس نے بنایا؟ اس سوال پر مشورہ میں موجود بعض ساتھیوں نے انتہائی معقول جواب دیا: ہم مشورہ والوں نے حضرت مولانا مد ظلہ کو اپنا فیصل، امیر اور قائد منتخب کیا ہے؛ ہم کام کرتے ہیں اس لئے ہمیں ایک رہنما اور قائد کی ضرورت ہے۔

پھر شور اتنا بڑھا کہ حضرت مولانا مد ظلہ اپنی جگہ سے اٹھ گئے، اور یہ لوگ بھی ایک ایک کر کے باہر نکل گئے۔

وفد ایسے ہوتے ہیں کہ کسی کے گھر میں، اور وہ بھی جب اہم مشورہ چل رہا ہو بلا اجازت گھس آئیں ——ہڑبونگ شروع کر دیں—— چیخنے چلانے لگیں——لوگوں کی گردنیں پھلانگیں——اور انہیں دھکے دے دے کر جگہ بنائیں؟؟؟؟؟

ان تمام ترنازیبا حرکتوں کے باوجود ایک محترم شخص ایک معقول بات کہے، اور اردو محاورے میں صحیح گفتگو کرے، انتہائی صبر اور متانت سے کام لے——البتہ تعبیر ایسی استعمال کرے جو غصہ کے وقت کی جاتی ہے——تو بس اس تعبیر کو غلط مطلب پہنا کر اپنا الو سیدھا کر لیا جائے——ظاہر ہے اس طرح کی حرکات سے کوئی سنجیدہ مقصد تو پورا نہیں ہو سکتا، ہاں! ہنگامہ آرائی ہو سکتی ہے، جو ہوئی——اور شرمندگی اور خجالت نے ہم سب کو آدبوچا۔

(۱۱) اعتراض: ہدایت اگر اللہ کے ہاتھ میں ہوتی تو نبیوں کو کیوں بھیجتا:

راقم الحروف نے اس بارے میں حضرت مولانا مد ظلہ سے گفتگو کی کہ آپ ہادی کسے مانتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا اللہ-رب العزۃ-کو۔ میں نے پوچھا: یہ کیا مضمون ہے کہ ہدایت اللہ-جل شانہ- کے ہاتھ میں نہیں ہے؟ حضرت مولانا مد ظلہ نے فرمایا: میرا مضمون یہ ہے کہ ہدایت دینے کا اللہ کے یہاں سے ایک طریقہ اور ضابطہ طے ہے، یعنی: انابت الی اللہ، اجتہاد فی الدین وغیرہ۔ اور اللہ-تعالیٰ- اپنے طریقہ کے خلاف ہدایت نہیں دیتا، اگر اللہ-تعالیٰ- کو یوں ہی کسی انسان کی محنت اور لگن کے بنا ہدایت دینی منظور ہوتی تو انبیا-علیہم الصلاۃ والسلام- کے بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟ جبکہ حضرات انبیا-علیہم الصلاۃ والسلام- اسی طریقۂ محنت کو بیان کرنے اور اسی کی طرف بلانے کے لئے مبعوث ہوئے ہیں؛ تا کہ اللہ اپنا وعدہ پورا کر دے، اور انسانیت کو ہدایت سے نواز دے۔

مزید یہ بھی فرمایا: تاہم اگر تعبیر میں کچھ کوتاہی ہوئی ہو-جس سے کوئی انسان مبرا نہیں ہے-تو میں اس کے لئے بارگاہ ایزدی میں معذرت خواہ ہوں——اور اگر کسی انسان کو میری بات سے غلط فہمی ہوئی ہے تو وہ سمجھ لے کہ: "جو شخص بھی اللہ-رب العزۃ-کو ہادی نہیں مانتا وہ میرے نزدیک بھی ضال و مضل ہے۔

(۱۲) اعتراض: اجتماعی اعمال کے ذرات کو انفرادی اعمال کا پہاڑ بتایا جاتا ہے:

تو اس میں تعجب اور تحیر کی کیا بات ہے؟؟؟ انفرادی اعمال آدمی کی ذات تک محدود رہتے ہیں——اور اجتماعی اعمال کا نفع ساری امت اور ان گنت انسانوں کو ہوتا ہے، مثلاً: ادارس میں "اجتماعی عمل" اسباق ہیں، اگر کوئی طالب علم سبق چھوڑ کر نماز، تلاوت، ذکر، اور تسبیح میں مشغول ہو جائے، اور کوئی استاذ اسے نصیحت کرتے ہوئے یوں کہے:

عزیز من! انفرادی اعمال کا ایک پہاڑ اجتماعی عمل یعنی سبق کے ایک ذرہ کی برابری نہیں کر سکتا۔

تو اس میں غلط کیا ہو گیا؟؟؟—

اسی طرح اگر کوئی شخص "اجتماعی نماز" چھوڑ کر انفرادی طور پر ہزار بار بھی پڑھ لے — تو یہ پہاڑ اس ذرہ کا مقابلہ نہیں اور کبھی نہیں کر سکتا۔

دراصل اکیلے دین پر چلنا اور مجتمع ہو کر دین پر چلنا دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے، آج یہ ملحوظ نہیں رہا — حتی کہ اجتماعی اعمال ہی ختم ہو کر رہ گئے، یا محدود ہو کر رہ گئے — اور اللہ –رب العزۃ– کی وہ مددیں جو من حیث الامۃ تھیں، رک گئیں۔ واللہ اعلم۔

واضح رہے کہ اس قول کے قائل حضرت مولانا مدظلہ نہیں ہیں بلکہ یہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب –رحمۃ اللہ علیہ– سے منقول ہے۔ اور راوی ثقہ ہے۔

(۱۳) اعتراض: طریق نبوت اور طریق ولایت کو الگ الگ بیان کرنا:

اس میں اعتراض کی کیا بات ہے؟ طریق ولایت دراصل اپنی ذات پر محنت کرنے کا نام ہے — اور طریق نبوت اپنی ذات پر محنت کرنے کے ساتھ ساتھ امت پر محنت کرنے کو کہتے ہیں۔

دراصل اس مضمون کا اصل ماخذ حضرت مجدد صاحب –رحمۃ اللہ علیہ– کے مضامین و تحریرات ہیں — اور حضرت کے افادات اس قدر اہم ہیں کہ علما نے انہیں اپنی تفسیروں تک میں جگہ دی ہے، دیکھئے قاضی ثناء اللہ صاحب –رحمۃ اللہ علیہ– مظہری (۶/۱۵۷) میں تحریر فرماتے ہیں:

«قالوا مقتضى الولاية: الاستغراق والتوجه إلى الله –سبحانه وتعالى–. ومقتضى النبوة: التوجه إلى الخلق. — والتحقيق ماحقّق المجدد الألف الثاني –رضي الله عنه–: أن النبوة هي الأفضل من الولاية. .... بل التوجه إلى الخلق لمّا كان بإذن الله –سبحانه وتعالى– وعلى حسب أمره ومرضاته، فهو أيضا في المعنى: التوجه إلى الله –سبحانه وتعالى–:

فإني في الوصال عبيد نفسي   وفي الهِجْرَان مولى للموالي »

یعنی: ولایت کا مقتضی: اللہ –جل شانہ– کے ساتھ ہمہ تن مشغول رہنا ہے۔ اور نبوت کا تقاضا یہ ہے کہ: خلق خدا کے ساتھ بھی مشغول رہے — حضرت مجدد الف ثانی صاحب –رحمۃ اللہ علیہ– کی تحقیق یہ ہے کہ: یہی دوسری بات زیادہ افضل و بہتر ہے؛ کیونکہ جب خلق خدا کے ساتھ مشغول ہونا بموجب امر الٰہی ہی ہے، اور اسی کی رضا کے لئے ہے، تو یہ بھی معنا توجہ الی اللہ ہے۔

قاضی صاحب –رحمۃ اللہ علیہ– اس امر کی علتِ افضلیت کی طرف لطیف اشارہ فرما رہے ہیں: خلق خدا کے ساتھ مشغول ہونا (دعوت الی اللہ کے ذریعہ) چونکہ نفس پر بار ہے بمقابلہ حق –تعالیٰ– کے ساتھ مشغول ہونے کے (عبادت کے ذریعہ)۔

ترجمۂ شعر عربی: جب مجھے محبوب کا وصال حاصل ہو جاتا ہے تو اس وقت مَیں حقیقتاً اپنے نفس کا غلام ہوتا ہوں۔ اور جب ہجر میں اسے یاد کرتا ہوں اور تڑپتا ہوں تو واقعتاً محبوب کا غلام معلوم ہوتا ہوں۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ عبادتیں لذیذ معلوم ہوتی ہیں بمقابلہ کسی مسلمان پر گشت کرنے اور اسے اللہ سے ملانے کے۔

آج طریقۂ نبوت کی افضلیت کا بتلانا بلکہ جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر امت کو اس کی طرف لانا وقت کا اہم تقاضا ہے — مسلمانوں کی حالت ان کے اپنے دین کے حوالہ سے بد سے بدتر ہو چکی ہے اور اس حال زبوں پر رونے والوں کا قحط آیا ہوا ہے۔ سچ فرمایا تھا عارف تھانوی نے –اللہ اس کی قبر پر اپنی رحمت کی لاکھوں پھواریں برسائے–:

"مسلمانوں میں دعوت الی اللہ کا باب ہی گم ہو گیا ہے حتی کہ جہاں قدرت ہے وہاں بھی نہیں۔ اور جہاں قدرت نہیں وہاں کا تو پوچھنا ہی کیا؟ ہمارے بزرگ وہ تھے کہ جہاں قدرت نہ تھی وہاں بھی دعوت الی الحق سے باز نہ رہتے، اور ہم ہیں کہ قدرت کی جگہ بھی نہیں کرتے۔" (تجدید تعلیم و تبلیغ: ۹۹، ۱۹۸)

(۱۴) اعتراض: غیر جماعتی چاہے جتنا بھی بڑا عالم ہو اس کو بیان کرنے سے، تفسیر و امامت سے روک دیتے ہیں، اور حیاۃ الصحابہ کی تعلیم سے:

حضرت مولانا مدظلہ نے ایسی کوئی بات کبھی بھی نہیں فرمائی۔ یہ ان پر ایک الزام ہے — ہاں! (حیاۃ الصحابہ) کی تعلیم جو شب گذاریوں یا ماہانہ جوڑوں میں ہوتی ہے، اس میں ضرور سال لگایا ہوا ہونے کی قید لگائی گئی ہے — قیود لگانا، شرائط بڑھانا، یہ معیار بلند کرنے کے لئے ہوتا ہے، نہ کہ کوئی دوسری منفی غرض — جیسے دار العلوم/دیوبند نے

لات کو تخصصات میں داخلہ لینے کے لئے فاضلِ دار العلوم ہونا شرط قرار دیا ہے — اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دیگر مدارس کے فضلاء علما نہیں ہیں۔
حیاۃ الصحابہ کی تعلیم کے ذریعہ چونکہ دعوت الی اللہ کی مبارک محنت کے اصول بیان کرنا اور کام کو صحابۂ کرام۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ کی سیرت طیبہ کے قریب لانا
ں ہے — تو ظاہر ہے وہ شخص ہی بہتر ہوگا جس نے زیادہ سے زیادہ وقت اس کام میں دیا ہو، یا کم از کم ایک سال۔

(۱۵) اعتراض: مدارس کے اساتذہ کی یہ کہہ کر تشکیل کی جاتی ہے کہ مدارس کے اساتذہ تنخواہ لینے کی وجہ سے دنیا کے دھندہ میں پھنسے ہیں اس
ئے انہیں دین کی خدمت کے لئے کچھ وقت دینا چاہئے:
یہ الزام محض ہے۔ حضرت مولانا مدظلہ تو علما کی زیارت کو عبادت، اور ان کی صحبت سے علم حاصل کرنے کو متقدمین کا اور اصل طریقہ بتاتے ہیں۔

(۱۶) اعتراض: یہ تو سمجھ میں آتا ہے کہ صبح اٹھ کر تلاوت کی جائے، مگر جو لوگ اللہ اللہ کا ورد کرتے ہیں، اس سے کیا فائدہ؟ یہ سب بدعت ہے:
یہ الزام محض ہے، جن لوگوں نے حضرت مولانا مدظلہ کی مجلس بیعت میں شرکت کی ہے، ان کا بیان ہے کہ: حضرت مولانا مدظلہ خود (اللہ، اللہ) کے ذکر کی تلقین فرماتے ہیں۔

(۱۷) اعتراض: داڑھی نہ رکھنے کا گناہ زنا سے زیادہ ہے:
محترم! اعتراض کرنے کے بجائے اگر سمجھنے کی کوشش کی جائے تو زیادہ بہتر ہے، کیونکہ داڑھی نہ رکھنے کا گناہ بہر حال زنا سے بڑھا ہوا ہے۔
وجوہ: (الف) داڑھی نہ رکھنا گناہ کرنا ہے علی الاعلان — جبکہ زنا چھپ کر کیا جاتا ہے۔ (ب) داڑھی شعائر اسلام میں داخل ہے، اور شعائر کو مٹانا ہدمِ اسلام کے
ادف مانا جاتا ہے؛ حتیٰ کہ شعائر سے کھلواڑ کرنا جہاد بالسیف کو دعوت دے دیتا ہے۔ (ج) تشبہ بالنسا ہے۔ جس پر حدیث میں لعنت وارد ہوئی ہے۔ (د) اس گناہ میں استمرار اور
وام ہے۔ یعنی داڑھی کٹانے والا یا منڈانے والا مسلسل گناہ میں مشغول ہے — جبکہ زنا میں یہ باتیں نہیں پائی جاتیں — البتہ کبیرہ ہونے میں دونوں برابر ہیں۔ واللہ اعلم۔

(۱۸) اعتراض: اللہ کے راستے کا خروج مقصود ہے، اور خروج ہی دعوت ہے، حالانکہ قرآن میں ہے: ﴿وما خلقت الجن والإنس إلا
يعبدون.﴾
خروج فی سبیل اللہ کو دعوۃ الی اللہ ماننے سے تخلیق انسانی کی بنیاد کا انکار اور اس سے انحراف کیسے لازم آگیا؟؟؟

(۱۹) اعتراض: حضرت جی مولانا محمد الیاس صاحب۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ پر یہ الزام اور بہتان لگایا کہ وہ اپنے عملے سے مشورہ نہیں کرتے تھے:
حضرت مولانا مدظلہ پر یہ الزام محض ہے، انہوں نے ایسا کبھی نہیں کہا — یہ حضرت مولانا مدظلہ کی بات کو توڑ مروڑ کر پیش کرنا ہے۔

(۲۰) اعتراض: قرآن کو سمجھے بغیر پڑھنا ناجائز ہے:
حضرت مولانا مدظلہ پر یہ الزام محض ہے۔ انہوں نے ایسا کبھی نہیں فرمایا — بلکہ یہ فرمایا کہ: حضرت علی۔ رضی اللہ عنہ۔ فرمایا کرتے تھے: "قرآن کو سمجھے بغیر پڑھنے میں
کوئی خیر نہیں ہے۔" (حیاۃ الصحابہ) اس مضمون کی احادیث اور آثار بے شمار ہیں۔ واللہ اعلم۔

अमारते शरईया
[illegible] संभाग, हिमाचल प्रदेश
[illegible]

امارت شرعیہ
ہماچل پردیش
[illegible]

(۴)

کے طریق کار اور منہج میں بھی سر مو کوئی تبدیلی دکھائی نہیں دی۔
اسی طرح آپ حضرات کے نزدیک حضرت مولانا سعد صاحب کا ہر فعل حق اور منہج دعوت
کے عین مطابق و احسن ہوتا تھا مگر مولانا زبیر الحسن صاحب کے پردہ فرماتے ہی آپ
حضرات کی طبیعت و اخلاق فوری نے آپ حضرات کے قلب و دماغ کو حقائق سے عاری
ایسی آنکھیں عطا کی ہیں کہ حضرت مولانا سعد صاحب کا ہر کام منہج قدیم سے منحرف دکھائی دینے
لگا، عربی شاعر نے سچ فرمایا کہ "وعین الرضا عن کل عیب کلیلۃ ولکن عین
السخط تبدی المساویا" آپ حضرات کا موجودہ انداز یا فیصلہ تین امور سے
خالی نہیں۔ نمبر ۱۔ یا تو آپ صاحبان کو مولانا الیاس صاحب سے تعلق و عقیدت ہے
جو آپ لوگوں کے [illegible] کے ذریعہ ظاہر ہو رہا ہے۔
نمبر ۲۔ یا آپ لوگوں کو حصول مقصود میں حضرت مولانا سعد صاحب کی [illegible]
گراں سدراہ دکھائی دیتی ہے
نمبر ۳۔ یا پھر آپ حضرات کی اسلام دشمن تحریک کا [illegible]
[illegible] میں جس سے آپ لوگوں کو دعوت و تبلیغ کا [illegible]
[illegible] مخالف تحریک کی [illegible]

[illegible]

حضرت جی مرحوم کی زبانِ گرامی سے یہ بات صراحۃً واضح ہو گئی کہ [illegible]
میں اہل الحل والعقد اہل بیت شوریٰ کا اجماع ہے اور وہ بحیثیت امیر [illegible]
سے حضرت مولانا سعد صاحب مدظلہٗ کو یہ درجہ کمال حاصل ہے۔

ماضی قریب ہی میں موضع [illegible] جلسہ [illegible] لاکھ
لوگوں نے حضرت مولانا سعد [illegible] کے دست حق پر بیعت امارت کی [illegible] اس سے پہلے بھی
کئی جلسوں میں بیعت عامہ ہو چکی ہے [illegible] شوریٰ [illegible]
سعد [illegible] کو شوریٰ نے امیر نہیں بنایا تھا [illegible]
سوائے کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

جس طرح بستی نظام الدین اولیاء میں [illegible] دہلی مسجد [illegible] مرکز دعوت سے [illegible]
حضرت مولانا سعد صاحب مدظلہ [illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(۱)

خدمت جلیل القدر ارباب دعوت و تبلیغ [illegible] سلام [illegible]

[illegible] حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحب [illegible] قدس سرہ [illegible]

[illegible] دعوت و تبلیغ کو [illegible] شروع فرمایا تھا۔

[illegible] اسلام [illegible] تحریک [illegible]

[illegible] حضرت [illegible]

[illegible] فرمائی [illegible]

[illegible]

[illegible] حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل صاحب (نور اللہ مرقدہ) [illegible]

[illegible] حضرت مولانا شاہ محمد [illegible] صاحب [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] فرمایا [illegible]

[illegible] شروع کر دیا۔

حضرت [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

इमारते शरइय्या

हरियाणा, पंजाब, हिमाचल प्रदेश

[illegible], जम्मू, [illegible]

[illegible] 1

ہریانہ

پنجاب

ہماچل پردیش

[illegible]

(۵)

موت سے پہلے توبہ و استغفار کے ذریعہ تلافی مافات ہو سکتی ہے [illegible]
[illegible] کو عقل سلیم رحمت فرماکر صراط مستقیم پر چلنے [illegible]
رحمت [illegible] (آمین)

[illegible]

۱۴ [illegible]

[illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امسال ٹونگی کے عالمی اجتماع میں پورے عالم سے آئے ہوئے پرانے اور مشورہ والے احباب کی طرف سے چند امور کے متعلق پوچھا گیا۔
سب دستور سب کے اجتماعی مشورہ سے مندرجہ ذیل امور طے ہوئے:-

(1) حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد ارباب حل وعقد کا مشورہ چلتا رہا'
جو مندرجہ ذیل حضرات تھے:

1. حضرت مولانا اظہار الحسن صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ۔
2. حضرت مولانا زبیر الحسن صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ۔
3. حضرت مولانا محمد سعد صاحب کاندھلوی دامت برکاتہم۔
4. حضرت میاںجی محراب صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔
5. حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ۔
6. حضرت مولانا سعید احمد خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔
7. حضرت مولانا مفتی زین العابدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔
8. حضرت حاجی عبدالوہاب صاحب دامت برکاتہم۔
9. حضرت حاجی عبدالمقیت صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

نے بیٹھ کر مشورہ کیا' جس کے بعد یہ اعلان فرمایا: " فی الحال یہ تین حضرات: حضرت مولانا اظہار الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ' حضرت مولانا زبیر الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ' حضرت مولانا محمد سعد صاحب دامت برکاتہم کام کو لیکر چلینگے انشاء اللہ"
اس کے مطابق یہ تینوں حضرات مل جل کر کام کو لیکر چلتے رہے۔
حضرت مولانا اظہار الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد سن 1997ء سے باقی دو حضرات حضرت مولانا زبیر الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد سعد صاحب دامت برکاتہم کام کو مل جل کر لیکر چلتے رہے۔
حضرت مولانا زبیر الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد سن 2014ء سے اب تک مولانا محمد سعد صاحب دامت برکاتہم کام کو لیکر چل رہے ہیں۔
جیسا کہ ٹونگی کے اس اجتماع سن 2017 کے دوران مختلف ممالک سے آئے ہوئے مشورہ والے ذمہ دار احباب نے از خود کھڑے ہو کر اپنے ملکوں کی شوریٰ کی طرف سے بتایا کہ ہم سب حضرت مولانا محمد سعد صاحب دامت برکاتہم کو تبلیغی امور میں اپنا ذمہ دار مانتے ہیں۔
اس عالمی اجتماع میں یہ طے پایا کہ حضرت مولانا محمد سعد صاحب دامت برکاتہم ہی تبلیغی کام کے ذمہ دار اور فیصل رہینگے۔

(2) جیسا کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ سے لیکر حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حیات میں بھی اور انکے انتقال کے بعد بھی سارے عالم کا تبلیغی امور میں رجوع "مرکز نظام الدین" کی طرف رہا ہے اسی طرح اب بھی نظام الدین ہی کی طرف رجوع رہے گا۔
اور وہاں جیسا کہ اب تک تمام امور مشورے سے طے ہوتے رہے ہیں، اب آئندہ بھی مشورے سے امور طے ہوتے رہینگے انشاء اللہ۔
حاجی عبد الوہاب صاحب نے بھی امسال رائیونڈ کے اجتماع کے موقعہ پر مشورہ کی کئی مجلسوں میں بار بار تاکیداً فرمایا کہ سب نظام الدین جاؤ، وہاں کے مشورے سے چلو اور وہاں جماعتیں خوب بھیجو اور اپنے امور وہاں پیش کرو۔
(3) اور جیسا کہ ہر ملک کے مشورہ والے احباب اپنے تمام امور مرکز نظام الدین کی طرف رجوع کر کے پوچھتے رہے وہی ترتیب جاری رہیگی انشاء اللہ، طے شدہ امور کی نقل رائیونڈ بھیجنے کا اہتمام اب تک رہا ہے آئندہ بھی اس کا اہتمام رہے گا انشاء اللہ۔
(4) تین مواقع پر 1- ہر سال رائیونڈ میں سالانہ اجتماع 2- ٹونگی میں سالانہ اجتماع 3- اور ہر دوسرے سال حج کے موقع پر تینوں مراکز کے ذمہ دار احباب جمع ہوتے ہیں۔ اور وہیں مشورہ کر کے امور طے کئے جاتے ہیں، یہی معمول انشاء اللہ جاری رہیگا، یہی عالمی مشورہ ہے اور یہی انشاء اللہ رہیگا، نہ کوئی عالمی شوریٰ بنی ہے اور نہ عالمی مشورے کے بعد اس کی ضرورت ہے۔
(5) رائیونڈ اجتماع 2015ء سے واپسی پر نظام الدین میں ملک کے پرانوں کے سہ ماہی مشورہ کے موقعہ پر مولانا محمد سعد صاحب دامت برکاتہم نے ہمراہ نظام الدین کی آٹھ افراد کی شوریٰ بنادی گئی تھی جس میں:-
1- مولانا ابراہیم صاحب دیولہ 2- مولانا احمد لاٹ صاحب 3- مولانا یعقوب صاحب 4- میاںجی عظمت صاحب 5- مولانا عبد الستار صاحب 6- پروفیسر عبد النعیم صاحب

7- مولوی زہیر الحسن صاحب 8- مولوی محمد یوسف صاحب ہیں۔

روزانہ صبح مرکز کے مشورہ میں اس شوری کے افراد و دیگر مقیمین کی موجودگی میں مشورہ سے امور طے ہوتے ہیں، یہی معمول انشاء اللہ جاری رہے گا۔

(6) جیسا کہ حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحت کے زمانہ میں یہ طے فرمایا تھا کہ تمام ممالک کے پرانے احباب ہر دو سال میں نظام الدین مشورہ اور مذاکرہ کیلئے آتے رہا کریں تاکہ سارے عالم میں کام ایک نہج پر رہے، اور اسوقت سے ابتک یہ ترتیب بفضلہ تعالی جاری ہے یہی ترتیب انشاء اللہ جاری رہے گی۔

(7) اسی طرح ملکوں کے جوڑ اور اجتماعات سنبھالنے کیلئے پہونچنے والی تینوں مراکز کی مشترکہ جماعت حسب معمول جاتی رہے گی جسکا ذمہ دار نظام الدین سے ہی رہے گا جیسا کہ ہمیشہ سے معمول چلا آرہا ہے۔

(8) اجتماع ٹونگی میں بہت سے ممالک کیطرف سے یہ سوال بھی آیا کہ جو جماعتیں ھندوستان سے ہمارے ملکوں میں عمومی کام کیلئے آئیں یا پرانوں کی جماعت اجتماع کیلئے آئے کیا ہم انکا استقبال کریں؟

مشورہ میں اسپر اتفاق ہوا کہ اسطرح کی جماعتیں جو نظام الدین کا پرچہ لیکر آئیں انکا استقبال کیا جائے اور انہی کا استعمال کیا جائے۔

منجانب

شوری بنگلہ والی مسجد

بندہ محمد فاروق عفی عنہ

بندہ محمد فاروق عفی عنہ

23 ربیع الثانی 1438ھ

مطابق 22 جنوری سن 2017ء